(۵۹)

سُورۂ حَشر

یہ سُورت مدینۂ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں (۲۴) آیتیں ہیں۔

اس سورت کا دوسرا نام سورۂ نَضیر بھی ہے۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں:۔ قلت لابن عباس سورة الحشر قال قل سورة النَّضیر۔ (عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابن مردویہ، ابن المنذر) میں نے حضرت ابن عباسؓ (کے سامنے اس سورت کا ذکر آیا تو اس کا نام) سورۂ حشر بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سورۂ نضیر کہو۔" حضرت ابن عباسؓ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ حشر کہنے سے بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ اس میں قیامت کا بیان ہے۔ حالانکہ اس میں قیامت کا بیان نہیں بلکہ بنی نَضیر سے جو جنگ ہوئی تھی اس کا بیان ہے۔ اس لئے بجائے سورۂ حشر کے سورۂ نَضیر کہنا چاہیے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کی رائے تھی۔ مگر جمہور اس کو سورۂ حشر ہی سے یاد کرتے ہیں۔

سورت ماقبل سے ربط ماقبل سورت سے اس کی مناسبت یوں ہے کہ اُس کے آخر میں کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ارشاد ہوا تھا۔ یعنی اللہ سبحانہ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہینگے"۔ اور اس سورت کی ابتدا ہی میں یہ ارشاد آرہا ہے :۔ فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبوا اللہ سبحانہ' بنی نضیر پر ایسا پہنچا جہاں انکو گمان تک نہ تھا"۔ نیز ماقبل سورت کے اخیر میں خدا و رسول کی مخالفت کرنیوالوں کا بیان تھا۔ یہی بیان اس سورت شریفہ کی ابتدا ہی میں ہے۔ پھر پچھلی سورت میں منافقین اور یہود کی باہمی دوستی کا حال تھا۔ اس میں یہود کی جو درگت بنی اور منافقین دوستی کا کچھ بھی ثبوت نہ دے سکے اس کا بیان ہے۔

یہود بنی نَضیر کا مدینہ میں قیام اور آں حضرتؐ سے معاہدہ واقعہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے شرقی جانب' چند میل کے فاصلہ پر یہود کی ایک بستی تھی۔ "بنی نضیر" اس کا نام تھا۔ عمالقہ کے غلبہ کے زمانہ میں یہ لوگ شام سے یہاں آکر پناہ گزیں ہوئے تھے اس نیت سے کہ نبی آخر الزماںؐ یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق بھی یہاں آپ کا ظہور ہوگا تو ایمان لائیں گے۔ یہ سرمایہ دار تھے اور جماعت

بڑی تھی یہاں آکر پختہ قلعے بنا لئے تھے جن پر ان کو بڑا ناز تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما ہوکر مدینہ تشریف لائے تو آپ سے صلح کرلی۔ صلح اس پر تھی: ۔ لا یکونوا علیہ ولا لہٗ ۔ نہ تو وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے اور نہ آپ کی تائید کریں گے"۔ مگر وہ اس پر قائم نہ رہ سکے۔

بنی نضیر کی غداری بنی نضیر نے کفار مکہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نامہ و پیام شروع کیا۔ ان کا ایک بڑا سردار کعب بن اشرف، چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچا اور کعبۃ اللہ شریف کے سامنے آپ کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اس کی خبر پہنچائی تو خدا و رسول کے حکم سے چند روز بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غدار کا کام تمام کردیا۔ اس پر بھی یہود کی بدعہدی، شرارتوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری رہا۔

بنی نضیر کا دغا وفریب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں ان یہودیوں نے لکھ بھیجا کہ آپ تیس اصحاب کیساتھ تشریف لائیں۔ ہمارے بھی تیس احبار (علماء) آئیں گے۔ آپ کی ہماری سرحد پر دونوں جماعتوں کا اجتماع ہوگا۔ اگر ہمارے احبار آپ کی نبوت

تسلیم کرلیں تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپؐ تیس اصحاب کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس صورت حال کو یہود نے دیکھا تو گھبرا گئے۔ آپس میں صلاح مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ ساٹھ آدمیوں کی گفتگو نتیجہ خیز نہ ہوگی۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپؐ تین اصحاب کے ساتھ تشریف لائیں۔ ہمارے بھی تین احبار آئیں گے۔ اگر یہ قائل ہو جائیں تو ہم سب اسلام قبول کرلیں گے۔ حقیقت حال یہ تھی کہ اس طرح دھوکہ دیکر حضورؐ کے قتل کی سازش کررہے تھے۔ احبار نے اپنے ساتھ خنجر چھپا رکھے تھے۔ آپؐ کو اس کی بھی اطلاع ہوگئی اور آپؐ ہاں سے واپس ہوگئے۔

بنی نضیر کی جلاوطنی بنی عامر کے دو آدمی مدینہ سے اپنے قبیلہ کو جا رہے تھے۔ جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امان عطا فرمایا تھا مگر لاعلمی کے باعث ایک شخص نے ان کو قتل کردیا۔ اطلاع ملنے پر آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ہم سے امان حاصل کر چکے تھے۔ اب ہم کو ان کی دیت (خون بہا) کا انتظام کرنا ہوگا۔ چوں کہ بنی نضیر سے آپ کا معاہدہ تھا اس لئے ان کو بھی دیت میں حصہ لینا تھا۔ اس کو طے کرنے کے لئے آپؐ حضرات ابوبکر و عمر و علی اور چند اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ

بنی نضیر سے ملے۔ انھوں نے کہا۔ ابوالقاسم! اچھی بات ہے۔ ہم کھانے سے
فارغ ہو کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیتے ہیں۔ کچھ دیر آپ اس دیوار کے
سایہ میں ٹھہرے رہیں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ اب یہود بنی نضیر نے یہ
سازش کی کہ کچھ لوگ مل کر اُس دیوار پر سے ایک بڑا پتھر آپ پر اور آپ کے
اصحاب پر گرادیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے صورت حال کی آپ کو اطلاع
دے دی۔ اس پر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے اور تین چار سو ہمراہیوں کے ساتھ
حکم الٰہی سے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ مکانات، دیواریں اور درخت
جو حائل تھے وہ منہدم کئے گئے اور کاٹ دئے گئے۔ اور دعوت مقابلہ
دی گئی۔ اس پر بنی نضیر گھبرا گئے۔ اور بری طرح مرعوب ہو گئے۔ بالآخر
طے ہوا کہ بنی نضیر، مدینہ سے جلاوطن ہو جائیں۔ ان کو اجازت دی گئی کہ
ہر تین آدمی ایک اونٹ سامان لاد کر لے جائیں۔ سونا چاندی، نقدی
اور جو سامان چاہیں لے جا سکتے ہیں، صرف ہتھیار چھوڑ جانا ہو گا۔
چنانچہ یہی ہوا۔ سورۂ حشر میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔

یہ واقعہ کب ہوا اس میں اختلاف ہے۔ واقدی وغیرہ مورخین
اس کو غزوہ احد کے بعد یعنی ۴ھ کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ امام بخاری نے

اس کو غزوۂ احد سے قبل اور غزوۂ بدر کے چھ مہینے بعد یعنی ۳ھ کا واقعہ بتلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝ اللہ کی پاکی بولتی ہے جو جو چیز آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے ۔"

(۵۹ - ۱۔ ۱۔)

یعنی کائنات کی ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں جاندار ہو یا بے جان، زبان قال وحال سے اس امر کا اقرار کرتی اور ثبوت دے رہی ہے کہ اللہ سبحانہ ہی اس کا بنانے والا ہے۔ وہی عزت اور غلبہ والا، حکمت والا خدا ہے کہ جس چیز کو جیسا بنانا تھا بنایا اور جیسا کچھ بنایا وہ اقتضائے حکمت کے عین مطابق ہے۔ کوئی چیز حکمت سے خالی نہیں۔ کسی کا یارا نہیں کہ ایک ذرہ بھی بنا سکے اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بنانے والا کوئی دوسرا نہیں تو پرستش و عبادت کا مستحق بھی اسکے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وہی ہر عبادت کا مستحق ہے۔

جمادات کی تسبیح جاندار چیزوں کی تسبیح' لسان قال و حال سے جاری رہنا تو عام بات ہے جس کو ہر کوئی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن محققین اہل عرفان فرماتے ہیں کہ بے جان چیزیں بھی نہ صرف زبان حال سے بلکہ زبان قال سے بھی اللہ سبحانہ کی تسبیح میں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:۔

انّی لاعرف حجرا بمکّۃ کان سلّم علیّ قبل ان ابعث انّی لاعرفہ الاٰن میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جس نے میری بعثت سے پیشتر مجھے سلام کیا تھا۔ میں اس کو اب بھی پہچان سکتا ہوں"

تسبیح طعام حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ ولقد کنّا نسمع تسبیح الطعام وھو یوکل۔ ہم کھانے کی تسبیح کی آواز اس کو کھاتے وقت سنتے رہتے تھے" ہاتھ پاؤں' جلد' کا گویا ہونا' قرآن کریم میں مصرح ہے تو استبعاد کی وجہ نہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ کلّ الاشیاء تسبّح للّٰہ حیّا کان او جمادا وتسبیحھا سبحان اللّٰہ وبحمدہ۔ جملہ چیزیں' اللہ سبحانہ کی پاکی بولتی ہیں' جاندار ہوں یا جمادات' ان کی تسبیح یہ ہے:۔ سبحان اللّٰہ وبحمدہ۔ اللہ سبحانہ کی ذات (ہر برائی اور عیب سے جو لائق خدائی نہیں) پاک ہے اور تعریف اسی کی ہے" یہ تفسیر آیہ کریمہ

وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولٰکن لا تفقھون تسبیحھم سے ماخوذ ہے۔ یعنی کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اسکی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ہو۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان صحبت تھا کہ صحابہ کرامؓ عام طور پر تسبیح طعام اپنے کانوں سے سنتے رہتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ابھی ابھی معلوم ہوا۔

۵۹(آیت ۲)

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؔ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۝

وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں، ان کے گھروں سے، پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے۔ تم گمان تک نہ کرتے تھے کہ وہ نکلیں گے اور وہ گمان کرتے تھے کہ ان کو بچالیں گے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا ان پر اللہ جہاں سے ان کو خیال تک نہ تھا اور ڈال دی ان کے دلوں میں دھاک، اُجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے

ہاتھوں‘ لہذا عبرت لو اے آنکھ والو‘‘

عہد شکنی کی نکبت

عزت والے‘ حکمت والے‘ خدا کی عزت و حکمت کا ایک نمونہ یہ تھا کہ بنی نضیر جو شام سے آکر مدینہ میں بس گئے تھے اور اس ارادے سے بسے تھے کہ توریت کی پیشین گوئی کے مطابق جب یہاں نبی آخر الزماںؐ کا ورود مسعود ہوگا تو آپ پر ایمان لائیں گے۔ اور اس مضبوطی سے یہاں فروکش ہوئے تھے کہ کوئی نکالنا چاہے تو بھی کسی سے یہ ممکن نہ ہو۔ چنانچہ انھوں نے یہاں پختہ کوٹھیاں اور مستحکم قلعے تعمیر کیے خیال یہ تھا کہ ضرورت پران کی یہ تدابیر مفید و کارآمد ثابت ہوں گی۔ یہاں ان کی کھیتیاں تھیں‘ باغات تھے۔ زرخیز زمین‘ اور بہترین پیداوار کے مالک بن کر خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اللہ سبحانہ نے یہ سب سہولتیں اسی واسطے میسر فرما دی تھیں کہ یہ حق کی تلاش میں غریب الوطنی کی مشقتیں اُٹھانے کا قصد کیے ہوئے تھے۔ پشت ہا پشت یہ فارغ البال خوشحال رہے۔ مگر جب نبی موعود نبی آخر الزماںؐ کا ورود مسعود ہوا تو اللہ سبحانہ سے کیے ہوئے عہد کو فراموش کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ خود نبی موعود علیہ صلوات الغفور الودود سے جو معاہدہ کیا تھا اس پر بھی قائم نہ رہ سکے۔

خدا کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے قلعوں اور کوٹھیوں پر اعتماد کیا تو نتیجہ یہ ہوا :ـ

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

جب اوس خدائے واحد کے ہو رہے تھے تو خدائے واحد کی پیدا کی ہوئی ایک ایک چیز ان کی ملک ہو چکی تھی پھر جب اوس سے برگشتہ ہو گئے اور حق کو چھوڑا تو ہر چیز اون سے برگشتہ ہو گئی وقت پر ایک چیز بھی کام نہ آسکی ۔ بنے بنائے قلعے اور سجی سجائی کوٹھیاں، سرسبز باغات اور لہلہاتی کھیتیاں، کچھ تو اپنے ہی ہاتھوں اور کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں، تباہ و برباد ہو کر کھنڈر اور ویرانے کی شکل میں مبدل ہو گئیں ۔

اول الحشر کی تفسیر اول الحشر کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں راجح قول یہ ہے :ـ لاول جمع حشرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او حشرہ اللہ عزوجل لقتالھم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن قبل قصد قتالھم ۔ (روح المعانی) پہلا لشکر مراد ہے جس کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خدائے عزوجل نے یہود سے جنگ کرنے کیلئے جمع کر کے چل کوچ کا حکم فرمایا کیوں کہ اس سے بیشتر حضور اکرم نے یہود سے

جدال وقتال کا کبھی ارادہ نہیں فرمایا تھا۔" خدائے عزیز کی عزت وغلبہ کا اظہار جو اس لشکر کشی کی صورت میں ہوا وہ صاف ظاہر ہے اسی مناسبت کی بنا پر مفسرین کرام نے اس قول کو دیگر اقوال پر ترجیح دی ہے۔ حشر کے معنی ہیں اخراج جمع من الناس سواء کان لحرب اولا۔ لوگوں کی جماعت کو باہر نکالنا خواہ جنگ کی خاطر ہو یا اور کسی مقصد کے لئے"۔ روز قیامت کو بھی یوم الحشر اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ تمام لوگ حساب و کتاب کے لئے قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔

رعب کی تفسیر "رعب" کے معنی ہیں الانقطاع من امتلاء الخوف۔ خوف کے بھر جانے سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ جب یہ کسی دل میں جم جاتا ہے تو عقل ٹھکانے نہیں رہتی، قوت و طاقت سلب ہو جاتی، رائے قائم نہیں رہتی، کوئی تدبیر نہیں سوجھتی، اور جسم کانپنے لگتا ہے۔ یہود بنی نضیر کے رعب کا اصل سبب "فاتٰھم اللہ" تھا۔ ایک توجہ خداوندی اور اس کے قہر کی ایک تجلی تھی کہ رعب کے جملہ آثار نمودار ہو گئے۔ کوئی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ان کو کچھ نہ سوجھا اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گھروں اور اپنی جائدادوں کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا۔

ہیبت حق ست ایں از خلق نیست ہیبت ایں از مرد صاحب دلق نیست

اول حشر اور آخر حشر یہ یہود کا اول حشر تھا۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا۔ یہ ایک رعایت تھی جو حضور رحمۃ للعالمین نے فرمائی غالباً اس بنا پر کہ یہود نے صرف اقدام قتل کیا تھا کوئی واقعہ وقوع میں نہ آیا تھا۔ رہے بنی قریظہ وغیرہ ان میں سے کچھ تو غزوہ بنی قریظہ میں قتل ہوئے اور ما بقی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کی بنا پر کہ جزیرۃ العرب میں کہیں کوئی مشرک نہ رہنے پائے، حضرت خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جلاوطن کئے گئے۔ اس واقعہ کو آخر حشر کہتے ہیں۔

جلاوطنی اب منسوخ ہے بہرحال جلاوطنی کی سزا اوائل اسلام میں دیجاتی تھی۔ فی زمانناً یہ سزا منسوخ ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ــــــ

ومشروعیۃ الاجلاء کانت فی ابتداء الاسلام واما الآن فقد نسخت ولا یجوز الا القتل او السبی او ضرب الجزیۃ۔

سزائے جلاوطنی کی مشروعیت ابتدائے اسلام میں تھی بعد کو منسوخ ہو چکی۔ اب سوائے قتل یا قید یا جزیہ لگانے کے کوئی صورت جائز نہیں۔"

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا 59-3
وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ 59-4
وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ اور اگر نہ ہوتی

یہ بات کہ لکھ دی تھی اللہ نے اُن پر جلاوطنی تو ضرور سزا دیتا ان کو دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ یہ اس بنا پر کہ انھوں نے خلاف کیا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اور جو خلاف کرتا ہے اللہ کا تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

یہود کی جلاوطنی ازلی تھی

عبد الرحمٰن بن کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں:۔ وکان بنو النضیر من سبط من اسباط بنی اسرائیل لم یصبهم جلاء منذ کتب اللہ الجلاء علی بنی اسرائیل فلذلك اجلاهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابو داؤد، ابن المنذر، بیہقی) بنی نضیر کا سلسلہ نسب بنی اسرائیل کی جس شاخ سے تھا ان کو جلاوطنی کی سزا، جو تمام بنی اسرائیل کے لئے اللہ سبحانہ نے (انکی شرارتوں کی بنا پر) مقرر فرما دی تھی نہیں ملی تھی، اب یہ سزا ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے ملی۔" اس طرح حکم الٰہی کی تکمیل ہو کر رہی

بنی نضیر کی سزا ضروری تھی | اس کے بعد اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جلا وطنی کا فیصلہ ہمارے پاس سے نہ بھی ہوا ہوتا تو بنی نضیر ایسے شریر تھے کہ ان کو دنیا میں کوئی اور اس سے سخت تر سزا دی جاتی۔ جیسا کہ بنی قریظہ وغیرہ کو دی گئی۔ کہ وہ قتل کر دئے گئے۔ یہ تخفیف صرف دنیوی سزا کی حد تک ہے جو رحمۃً للعالمین کا صدقہ ہے۔ اخروی سزا میں کوئی تخفیف نہ ہوگی۔ بلکہ آخرت میں ان کو آگ کی سزا دی جائے گی۔ اس بنا پر کہ انھوں نے خدا اور رسول کا خلاف کیا۔ وہ اس طرح کہ نبی آخر الزماںؐ پر ایمان لانے کی خاطر شام سے آکر مدینۂ منورہ میں بس گئے جب آپ کا ظہور ہوا تو بجائے ایمان لانے کے منکر ہو گئے۔ نبی آخر الزماں سے عدم اقدام کا معاہدہ کر کے قائم نہ رہے۔ کفار مکہ سے آپ کے خلاف جدید معاہدہ کیا۔ منافقین کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑا۔ گفتگو کرنے کا بہانہ کر کے قتل کی سازش کی۔ سلسلۂ کلام جاری رکھ کر شریر لوگوں کو اشارہ دیدیا کہ دیوار پر سے ایک بڑا پتھر لڑکا دیں کہ اگر اس کے نیچے کوئی آجائے تو جان لیوا ثابت ہو۔ تو جو کوئی ایسی مخالفت پر اتر آئے تو اللہ سبحانہ بھی ایسوں کو سخت سزا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ سزا دنیا میں بنی نضیر کو دی گئی، اور آخرت میں بھی دی جائے گی۔

جلاوطنی سخت سزا بھی ہے ایک حیثیت سے دیکھو تو جلاوطنی کی سزا قتل سے بھی سخت تر ہے کیوں کہ قتل کا معاملہ ایسا ہے کہ ایک وار میں کام تمام اور قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ جلاوطنی ایسی سزا ہے کہ روزانہ ہزار دفعہ موت آنکھوں کے سامنے پھرتی نظر آتی ہے۔ جیسا کہ اہل دوزخ کا حال ہے لا یقضٰی علیھم فیموتوا ولا یخفف عنھم من عذابھا۔ دوزخیوں کے حق میں کبھی موت کا حکم نہ ہوگا اور نہ ان کے روزانہ بلکہ ہر لمحہ کی سزا میں کوئی تخفیف ہوگی۔" یہ سزا اس لئے تجویز ہوئی کہ یہود دیے حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جان لینی چاہی تھی۔ جو تمام مسلمانوں کی جان تھی تو ان کو سزا بھی اسی مناسبت سے دی گئی کہ ان کا شمار نہ تو مُردوں میں رہے اور نہ زندوں میں۔ لا یموت فیھا ولا یحیی کا مصداق بنے رہیں۔

موجب جلاوطنی ذلك بانّھم شاقّوا اللہ ورسولہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان غداروں نے خدا اور رسول سے ہٹ کر اپنی ایک شق (پہلو) علٰحدہ قرار دے رکھی تھی۔ اللہ اور رسول جس امر کی طرف ان کو دعوت دے رہے تھے اس شق (پہلو) کو چھوڑ کر اپنی

مخالف شق اختیار کر رہے تھے اس بنا پر اللہ سبحانہ کے نزدیک وہ سزا کے مستحق قرار پاچکے تھے۔ اس پر مستزاد انھوں نے جو سازش حضور انورؐ کے خلاف کی تو فوری سزا کے مستحق بھی قرار پائے۔ اس طرح کہ دنیا میں جب تک زندہ رہیں جلاوطنی کی سزا پاتے رہیں۔ آخرت کی سزا جو برزخ میں، محشر میں، صراط پر اور دوزخ میں پائیں گے وہ جدا ہے۔

مَا قَطَعۡتُم مِّن لِّينَةٍ اَوۡ تَرَكۡتُمُوۡهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوۡلِهَا فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِيُخۡزِىَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝ (۵) جو کاٹ ڈالے تم نے کھجور کے درخت، یا رہنے دیا ان کو کھڑا اپنی جڑوں پر وہ سب کچھ اللہ ہی کے حکم سے ہے۔ اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو۔"

غزوۂ بنی نضیر کی خصوصیت بدر و اُحد کی لڑائیاں مدافعانہ تھیں اور حضور انورؐ کے غزوات عموماً مدافعانہ ہی تھے مگر غزوۂ بنی نضیر میں مسلمانوں کو ان پر چڑھائی کرنی پڑی تھی۔ اس وجہ سے کہ بنی نضیر قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے۔ اب جو درخت، دیواریں، مکانات حائل تھے ان کو درمیان سے ہٹا دینا ضروری ہوا۔ مسلمانوں نے درختوں کو کاٹنا، جلانا، اور مکانات دیواروں کو منہدم کرنا شروع کیا تاکہ دشمن سے لڑائی کیلئے میدان نکل آئے

دیگر یہ کہ درخت اور مکانات، یہودیوں کے املاک تھے۔ اپنی ملک و جائداد اس طرح تباہ ہوتی ہوئی نہ دیکھ سکیں تو لڑائی کے لئے باہر نکل آئیں گے پھر ان سے دوبدو جنگ ہوسکیگی۔ اگر اس پر بھی دشمن کو باہر نکلنے کی ہمت نہ ہو تو دشمن پر رعب چھاجائے گا۔ ان مصالح کے مدنظر تخریبی کارروائی کا آغاز کیا گیا۔

بنی نضیر کا اعتراض یہود کہنے لگے :۔ ماذنب شجرۃ وانتم تزعمون انکم مصلحون۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابو داؤد، ابن المنذر، بیہقی عن عبدالرحمن بن کعب) درخت کا کونسا گناہ ہے (جو تم ان کو کاٹتے جارہے ہو) تمہارا دعوی تو یہ ہے کہ تم مصلح بن کر آئے ہو"۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے کہتے :۔ یا محمدؐ زعمت انك تريد الاصلاح افمن الاصلاح عقرا لشجر وقطع النخل والفساد۔ (بیہقی عن مقاتل بن حیان) محمد! آپ کا ادعا تو یہ ہے کہ آپ اصلاح چاہتے ہیں تو کیا درختوں کو صاف کرنا، اور کھجور کی پیڑوں کو کاٹ ڈالنا اور مکانات کو برباد کرڈالنا بھی داخل اصلاح ہے؟"

جواب اس موقع پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ تم نے جن کھجوروں کو کاٹ ڈالا وہ عمل، اذن الٰہی سے تھا اور جن کو چھوڑ دیا وہ بھی اللہ سبحانہ کی

اجازت ہی سے ہے (جو عمل حکم الٰہی سے ہو وہ موجب فساد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ عین حکمت ہو گا۔ درختوں کے کاٹ ڈالنے اور مکانات کے منہدم کرنے میں) حکمت یہ ہے کہ نافرمانوں کی رسوائی اور ذلت کا اظہار ہو۔ کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی لگائی ہوئی کھیتی پامال اور سرسبز باغ اجاڑدئے جارہے ہیں مگر ان میں ہمت نہیں کہ مانع و مزاحم ہو سکیں۔ ان کے مال و جائداد میں مسلمان من مانے تصرفات کر رہے ہیں مجال نہیں کہ چوں وچرا کر سکیں۔ اس سے بڑھ کر ان غدار یہودیوں کی ذلت اور کیا ہو سکتی ہے؟ مقصد یہ تھا کہ اگر ان میں ہمت ہے تو ایسی تباہی دیکھ کر وہ میدان میں نکل آئیں گے پھر دو بدو لڑائی ہو گی ورنہ ان کی ذلت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اس موقع پر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فی البدیہ قصیدہ کہا جس کا ایک شعر یہ تھا۔ رواہ ابن عمرؓ (سعید بن منصور، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن مردویہ، بیہقی) :-

فھان علی سراۃ بنی لؤیّ حریق بالبویرۃ مستطیر

بنی لوئی کے رؤسا (سرداران قریش) کے نزدیک (جو یہود بنی نضیر کے حلیف تھے) بویرہ (بنی نضیر کی بستی) میں پھیلی ہوئی آگ معمولی سی نظر آتی

ہو گی ہے جبھی تو اس کی اطلاع پانے کے باوجود اپنے حلیفوں کی مدد کے لئے
گھر سے باہر تک نکل نہ سکے۔ اور نہ منافقین ان کی مدد کو آئے جنھوں نے
بلند آہنگ دعوے کر کے یہود کی ہمت بڑھائی تھی۔

بنی نضیر کی ذلت وحسرت بہرحال اس عمل سے بنی نضیر کی ایک طرف
ذلت و رسوائی ہو رہی تھی تو دوسری طرف اہل اسلام کی عزت و وقعت کا
اعلان ہو رہا تھا جو ان کو یہود کے مقابلہ میں اللہ سبحانہ نے عطا فرمائی
تھی۔ یہود کی یہ ذلت اور مسلمانوں کی یہ عزت، یہ دونوں امور یہود کے
حق میں حسرت در حسرت کا سامان بنے ہوئے تھے کہ جو باغات اور کھیتیاں
تباہی سے بچ رہی تھیں اون پر مسلمانوں کا پرچم لہرا رہا تھا اور وہ مسلمانوں
کے زیر نگیں آ رہے تھے۔ جس شوق ذوق کے ساتھ باغات لگائے گئے
اور کھیتیاں آباد کی گئی تھیں ان سے دشمنان یہود اور اللہ سبحانہ کے
دوست مستفید ہو رہے تھے۔ غور کرو اس میں کیسی عبرت ہے؟ حقیقت یہ ہے
کہ کسان اور باغبان کے نزدیک اپنی کھیتی اور باغ کی بڑی قدر ہوتی ہے۔
ان کا مقولہ ہے:۔ المسعفۃ عندی کاصبع من اصابع یدی۔
درخت اور پودے کی ایک ایک شاخ، میری نظر میں، اپنے ہاتھ کی ایک ایک

انگلی کی طرح ہے"۔ جس کے ٹوٹ جانے سے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسی انگلی کے کٹنے سے پہنچتی ہے۔ اتنا سب کچھ ہونے پر بھی وہ باہر نہیں آرہے ہیں تو سمجھ لو کہ ان میں مقابلہ کی ہمت نہیں۔

وجوب اطاعت و عدم وجوب دریافت حکمت اس آیہ کریمہ کے ذریعہ مسلمانوں کو اس امر کی تعلیم منظور ہے کہ مسلمان صرف تعمیل حکم کرتے رہیں حکم میں کیا حکمت پوشیدہ ہے اور کس بنا پر ایسا حکم دیا جا رہا ہے اس کو دریافت کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی اور نہ مسلمانوں پر اس کو واجب قرار دیا گیا۔ شرع شریف کے ایسے کتنے احکام ہیں جن کی حکمتوں اور اسرار سے ہم کو واقف نہیں کرایا گیا۔ مثلاً روزانہ نمازوں کی تعداد، عدد رکعات، قراءت سری و جہری، نصاب زکاۃ، اس کے احکام، مناسک حج وغیرہ۔ یہ ایسے احکام ہیں کہ مسلمان کا کام محض تعمیل اور بجا آوری ہے اس کے اسرار اور حکمتوں کی دریافت واجب نہیں۔ گو ہر حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قرب کمال کے باوجود جو آپ کو تمام مخلوقات، بلکہ تمام انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کے مقابلہ میں حاصل ہے، فرماتے ہیں: — ان اتبع الا ما یوحی الیّ۔

جو وحی میرے پاس بھیجی جاتی ہے میں صرف اس کی اتباع کیا کرتا ہوں"۔ یہ دریافت نہیں کرتا کہ اس میں کیا حکمت ہے اور کیا رمز ہے؟ یہ بھی ارشاد فرمایا: نحن نحکم بالظواھر واللہ یعلم السرائر۔ ہم صرف ظاہر پر حکم دیتے ہیں۔ رازِ دروں سے اللہ سبحانہ ہی خوب واقف ہے"۔ ہم اس کے درپے نہیں ہوتے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے مزید فضل و کرم سے احکام کے اسرار و حقائق اور اندرونی حکمتوں سے بھی واقف فرماوے۔ یہی کمال عبدیت ہے اور یہی مطلوب و محبوب ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ -6
مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور جو مال کہ پھیر دیا اللہ نے اپنے رسول پر

لہ الفیئ والفیئۃ الرجوع الی حالۃ محمودۃ ومنہ فاء الظلّ ولا یقال الّا للراجع منہ وقیل للغنیمۃ التی لا یلحق فیھا مشقّۃ فیٔ قال ما افاء اللہ علی رسولہ قال بعضھم سمّی ذلک بالفیٔ الذی ھو الظلّ تنبیھاً انّ اشرف اعراض الدنیا یجری مجری ظلّ زائل۔ (مفردات) اچھی حالت کی طرف لوٹ آنے کو فیٔ اور فیئۃ کہتے ہیں۔ فاء الظلّ کا محاورہ یہیں سے ہے۔ یعنی سایہ

اُن سے، تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ، ولیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے۔ اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔"

فَے کی نوعیت جنگ ختم ہوئی اور بنی نضیر کے اموال و جائدادیں جن کو وہ چھوڑ گئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قبضہ میں آگئیں تو انکی تقسیم کا سوال قدرۃً پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس جنگ کی نوعیت دیگر غزوات سے جداگانہ تھی دوسرے غزوات میں تو

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

لوٹ آیا۔ لوٹ آنے والے سایہ ہی کو فَے کہتے ہیں۔ نیز وہ مال غنیمت بھی فَے کہلاتا ہے جو بلا مشقت حاصل ہو۔ آیہ کریمہ ما افآء اللہ علی رسولہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے جو مال اپنے رسُول کو بے مشقت دلادیا۔" بعض اہل لغت نے اس میں یہ نکتہ بتایا کہ غنیمت بے مشقت کا نام فَے یعنی سایہ اس لئے ہوا کہ دنیا کی بہترین نعمت بھی سایہ کی طرح ہے جو آناً فاناً ختم ہو جاتی ہے۔"

لہ الوجیف سرعۃ السیر واوجفت البعیر اسرعتہ قال فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب یقال اوجف فاعجف ای حمل الفرس علی الاسراع فھزلہ بذٰلک۔ (مفردات) تیز چلانے کو وجیف کہتے ہیں اور اوجفت البعیر کے معنی ہیں میں نے اونٹ کو تیز چلایا۔ آیہ کریمہ فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب کے معنی بھی یہی ہوئے کہ تم ان پر گھوڑے اونٹ دوڑا کر نہیں لے گئے۔ اوجف فاعجف کا محاورہ بھی اسی سے ہے کہ گھوڑے کو دوڑا دوڑا کر لاغر بنا دیا۔"

مقابلہ کی لڑائی ہونے کے بعد کامیابی کی صورت نمودار ہوئی تھی۔ اور یہاں صورت حال یہ تھی کہ یہود قلعہ بند اور خانہ نشیں تھے۔ عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بالآخر مجبور ہو کر درخواستِ صلح کی۔ اور صلح اس پر ہوئی کہ اسلحہ کے سوا جس قدر نقدی اور سامان وہ ساتھ لے جانا چاہیں اونٹوں پر لاد کر لیجائیں تو مابقی مال و متاع، مکانات، باغات اور کھیتوں کی تقسیم کا اصول بھی وہ نہیں قرار پا سکتا جو دوسرے غزوات میں تھا۔ اس آیہ کریمہ میں یہی تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنے رسول کو یہاں جو کچھ دلایا وہ لشکر کشی اور جدال و قتال کا نتیجہ تو ہے نہیں۔ بلکہ یہود کے دل میں اپنے رسول کا رعب بٹھا کر کامیابی دی گئی ہے، تو مسلمانوں کو چاہئے کہ تقسیم غنیمت کے سابقہ اصول کا خیال اپنے ذہن سے نکال دیں۔ اور اس بارے میں ہدایات کے منتظر رہیں۔ آئندہ جو ہدایت دی جائے اس کی تعمیل کریں۔ اور اسی پر خوش خوش کاربند ہوں کہ یہی صورت ان کے لئے ہر آئینہ خوش آئند ہے جو اقتضائے عدل اور عین حکمت ہے۔

7 مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ لا كَيْ لَا يَكُوْنَ

دُوْلَةًۢ[1] بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۗ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ

[1] الدَّولة والدُّولة واحدة وقيل الدَولة في المال والدُولة في الحرب الجاه

(۵۹) الحشر (۱)

وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ 9-8

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

وقیل الدولة اسم الشئ الذی یتداول بعینه والدولة المصدر قال تعالیٰ

کیلا یکون دُولة بین الاغنیاء منکم (مفردات) یقال صار الفیٔ (الغنیمة)

دُولة بینھم ای یتداولونه فیکون مرة لھذا ومرة لھذا والجمع دُولات ودُوَل۔

(محیط المحیط) دَولة بالفتح اور دُولة بالضم دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ بمعنی گردش ودست گردانی

بعضوں نے فرق کیا ہے دَولة بالفتح مال میں اور بالضم کا جنگ اور مرتبہ میں استعمال ہوتا ہے

نیز یہ کہ کوئی معین شئ ایک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہے تو اس کو دَولة

کہتے ہیں اور دُولة مصدر ہے منتقل ہونا جو ایک فعل ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ کیلا یکون

دُولة بین الاغنیاء منکم۔ تاکہ ایک چیز تمہارے اغنیاء ہی میں پھرتی نہ رہے کہ فقراء کو

اس سے کچھ نہ مل سکے۔ بلکہ سب اس سے نفع اٹھاتے رہیں۔ محاورہ ہے:۔ صار الفیٔ دُولة

بینھم۔ یعنی غنیمت کا مال انہی کے درمیان گردش کھاتا رہا۔ کبھی یہ فریق قابض ہوا اور

کبھی وہ۔ دُولات اور دُوَل جمع ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن 9
قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ
خَصَاصَةٌ[1] ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ[2] نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

[1] خصاص البیت فرجتہ وعبّر عن الفقر الذی لم یُسدّ بالخصاصۃ کما عبر عنہ بالخلّۃ قال ویوثرون علی انفسہم ولوکان بہم خصاصۃ۔ (مفردات) گھر کے شگاف کو "خصاص" کہتے ہیں۔ محتاجی مراد ہے جس کے باعث شگاف کو بند کرنا نہ ہوسکے۔ محتاجی کو خلّۃ بھی کہتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:۔ "ویؤثرون علی انفسہم ولوکان بہم خصاصۃ۔ انصار ایثار کرتے ہیں گو وہ خود بھی محتاج ہوں"۔

[2] الشحّ بخل مع حرص وذلک فیما کان عادۃ قال ومن یوق شحّ نفسہ۔ (مفردات) حرص اور بخل دونوں ہوں تو اس کو شحّ کہتے ہیں جب کہ اس کی عادت سی ہوگئی ہو۔ ارشاد باری ہے:۔ "ومن یوق شحّ نفسہ۔ جو اپنے نفس کی حرص اور بخل سے بچا رہے تو وہی کامیاب ہے"۔ البخل ھو المنع من مال نفسہ والشحّ ھو بخل الرجل من مال غیرہ (تعریفات) اپنا مال نہ دینا بخل ہے اور دوسرے کا مال (جو دینے کے لئے ہے) نہ دینا شحّ ہے"۔ واللہ اعلم

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ جو کچھ پھیر دیا اللہ نے اپنے رسول پر ع
بستیوں والوں سے، وہ ہے واسطے اللہ کے اور رسول کے اور اہل قرابت کے
اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے، تا نہ آئے لینے دینے میں
دولت مندوں کے تم میں سے، اور جو دے تم کو رسول تو لے لو اور
جس سے منع کرے تو چھوڑ دو، اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ کا
عذاب سخت ہے۔ یہ ان وطن چھوڑنے والے مفلسوں کے واسطے ہے
جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے، ڈھونڈتے
آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی، اور مدد کرنے کو اللہ کی اور
اس کے رسول کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو
جگہ لے رکھے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان کے پہلے سے وہ محبت
کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس، اور نہیں پاتے اپنے
دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو
اپنی جان سے اور اگرچہ ہو خود پر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے نفس کی لالچ سے

تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان "

گو "فے" بھی مال غنیمت ہے ۔ کیونکہ اعداء اسلام سے حاصل ہوا ہے لیکن غنیمت وہ مال ہے جو عام جدال و قتال کے بعد حاصل ہوتا ہے ۔ اس کے پانچ حصے کئے جاتے ہیں ۔ ایک حصہ یعنی خُمس ۱/۵ للہ ہوگا ۔ خداوند تعالیٰ شانہ کی نیاز ۔ جس کو بطور نیابت الٰہی بارگاہ حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا جاتا تھا ۔ اور آپؐ اسکو ان پانچ ابواب میں تقسیم فرماتے تھے :۔

(۱) ذات اقدس پر (۲) ذوی القربیٰ اپنے اُن اہل قرابت (بنی ہاشم اور بنی مطلب) پر جو قدیم سے آپ کی نصرت و امداد کرتے رہے ۔ خواہ اسلام کی خاطر خواہ قرابت کی بنا پر ۔ زکاۃ ان کے لئے حرام ہے ۔ (۳) یتیموں پر ۔ (۴) محتاجوں پر ۔ (۵) مسافروں پر ۔ اور باقی چار خُمس ۴/۵ مجاہدین میں بانٹ دیے جاتے ہیں اس کا تفصیلی بیان سورۂ انفال میں تحت آیہ کریمہ واعلموا انما غنمتم من شیٔ مذکور ہے ۔

یہاں فَے کی تقسیم کا اصول ارشاد ہو رہا ہے جس میں لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی یا معمولی سی لڑائی کی صورت رونما ہوئی مگر عام لڑائی نہ ہونے پائی کہ مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہو گئی۔ اس کی تقسیم حسب ذیل ہوگی :۔

فللہ کی تفسیر (۱) فَلِلّٰہِ اللہ کے لئے نیاز' جس کی نیابت کے طور پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے مال فَے پر قبض و تصرف کے مجاز و مختار ہوں گے۔ اللہ سبحانہ کا ذکر غنیمت کے سلسلہ میں ہو یا فَے کے۔ صرف تبرکاً و تیمناً ہے۔ اللہ سبحانہ غنی ہے اور یوں بھی ساری کائنات اُسی کی ملک ہے۔ جو مال بطور فَے کے ہاتھ لگا۔ وہ بھی پیشتر سے اللہ سبحانہ کی ملک میں تھا اور اب حضور کے قبض و تصرف میں آیا تو اس وقت بھی اسی کی ملک میں ہے مگر بعض روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غنیمت کے خمس سے جو **للّٰہ** نکالا جاتا تھا کچھ حصہ بیت اللہ شریف (خانہ کعبہ) کے لئے نکالتے تھے۔ جس کی بنا پر بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر خانہ کعبہ دور ہو وہاں بھجوانا نہ ہو سکے تو اس کو مساجد کیلئے نکالا جائے کیوں کہ یہ بھی بیت اللہ شریف کے حکم میں ہیں اور مساجد بیت اللہ کی شاخیں ہیں۔

وللرسول کی تفسیر (۲) وللرسول اور رسول کے لئے "یعنی اللہ سبحانہ نے

جو مال بستیوں والوں کا اپنے رسول کے ہاتھ لگا دیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔ یا تو سب آپ کی ملک ہے یا یہ کہ آپ کے اقتدار میں ہے آپ اس کو جیسا چاہیں خرچ فرمائیں۔ اپنی ذات اقدس پر اہل بیتؑ اطہار اور امہات المومنینؓ پر۔ وَلِذِی الْقُرْبٰی اپنے اہل قرابت پر یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب پر جنھوں نے قدیم سے آپ کی نصرت کی جن کو زکاۃ لینا حرام ہے۔ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں پر یہاں تک تو غنیمت اور فَے کا حکم یکساں ہے۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک اس دار فانی میں رونق افروز تھے برابر ان ابواب پر خرچ فرماتے رہے۔

فَے پر حضورؐ انور کا اقتدار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ کانت اموال بنی نضیر مما افاء اللہ علی رسولہ مما لم یوجف علیہ المسلمون من خیل ولا رکاب فکانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ فکان ینفق علی اھلہ منھا نفقۃ سنتھم ثم یجعل ما بقی فی الکراع والسلاح عدۃ فی سبیل اللہ۔ (امام احمدؒ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن المنذر) بنی نضیر کے اموال فَے میں شامل تھے جو اللہ سبحانہ نے اپنے

رسول کو دلا دئے تھے جس پر مسلمانوں کو گھوڑے دوڑانے اور اونٹوں سے چڑھائی کرنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ وہ سب حضور اکرم کے لئے مختص تھے۔ سید عالم ان کو اپنے اہل وعیال کے سال بھر کے نفقہ پر خرچ فرماتے اور جو بچ رہتا اس سے ہتھیار وغیرہ جہاد فی سبیل اللہ کا انتظام فرما کر رکھ چھوڑتے تھے "۔ یعنی اہل وعیال ذوالقربیٰ یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے خرچ کے بعد جو باقی رہتا اس سے سامان جہاد فرماتے۔

فَے کو تقسیم نہ کرنے کی حکمت | اس تقسیم میں حکمت یہ تھی:۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔ تاکہ یہ اموال تمہارے اغنیا ہی میں گردش کھاتے نہ رہیں "۔ یعنی اگر یہ جائدادیں اور اراضی جاگیر وغیرہ کے طریق پر تقسیم کردی جاتی تو معطی لہم کی اولاد ہی اس پر قابض و متصرف ہوتی جس سے وہ غنی اور مال دار ہوجاتے اور اغنیاء پر ہی ہمیشہ خرچ ہوتی رہتی معطی لہم کے خاندان ہمیشہ اغنیاء رہتے اور ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور مسافر ہمیشہ فقر و فاقہ میں مبتلا رہتے۔ اب یہ ہوگا کہ آمدنی ان سب پر حسب حاجت خرچ ہوگی۔ سرمایہ داری کی صورت پیدا نہ ہوگی۔ دولت کی تقسیم حکیمانہ طریق پر جاری رہے گی اور سب ہی اس سے متمتع و مستفید ہوں گے۔

حکمت دوم اتباع رسول کا درس | پھر ایک عام حکمت بیان فرمادی گئی:۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۔ "رسول تم کو جو دیں اس کو لے لیا کرو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔" خواہ وہ مال و دولت ہو یا احکام و ہدایات ۔یعنی اوامر و نواہی ۔مومن کی خیریت اسی میں ہے کہ اس قاعدہ کلیہ پر عمل پیرا رہے ۔اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے ۔حکم جس چیز کا دیا جائے گا اس میں کوئی نہ کوئی بھلائی ہو گی ۔اسی طرح جس امر سے منع کیا جائے گا اس میں کوئی نہ کوئی قباحت ہو گی ۔یہ نہیں ہو سکتا کہ امر قبیح کا حکم دیا جائے یا اچھی چیز سے منع کیا جائے ۔خدا اور رسول کے احکام اس سے بری ہیں ۔ازاں جملہ فے کی تقسیم بھی ہے ۔پھر جتا دیا گیا :۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۔"اور خلاف ورزی میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

اطاعت رسول اطاعت اللہ ہے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔ لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ ۔(امام احمد، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابن المنذر، ابن مردویہ عن علقمہ) اللہ نے لعنت کی ہے گوندا لگانے والی اور گوندا لگوانے والی اور سفید بال چننے والی اور دانتوں میں ساند بنانے والی عورتوں پر

جو خوب صورتی کے لئے ایسا کرتی ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلتی ہیں"۔
(در اصل یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک ہے) کہتے ہیں کہ
یہ سن کر ایک عورت نے عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ مجھے آپ کی
یہ خبر پہنچی ہے کیا یہ درست ہے؟ آپ نے کہا ٹھیک ہے جس کو حضورؐ انور نے
ملعون ٹھہرایا اس کو میں بھی ملعون کیوں نہ کہوں درحالیکہ قرآن کریم میں اسکی
تصریح موجود ہے۔ اس عورت نے کہا میں نے پورا قرآن پڑھ لیا اس میں
کہیں بھی ایسا لکھا ہوا نہ پایا۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا اگر تم قرآن پڑھنے کے
طریق سے پڑھی ہوتیں تو یہ حکم ضرور دریافت ہوتا۔ پھر فرمایا۔ کیا قرآن میں
یہ نہیں ہے:۔ وما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔
رسولؐ تم کو جو حکم دیں اس کو بجا لاؤ اور جس امر سے منع فرمائیں اس سے باز رہو؟
عورت نے کہا ہاں یہ حکم تو موجود ہے۔ آپ نے کہا بس حضورؐ انور نے ان کاموں سے
منع فرمایا ہے"۔ مطلب یہ کہ فَے کے لینے نہ لینے پر ہی نہیں بلکہ حضورؐ انور کا ہر
امر و نہی یہی حکم رکھتا ہے۔

حدیث کی اہمیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

القرآن صعب عسر علی من کرھہ میسر علی من تبعہ وحدیثی صعب مستصعب

وھو الحکمۃ فمن استمسك بحدیثی وحفظه کان مع القرآن ومن تھاون بحدیثی خسر الدنیا والاٰخرۃ وامرتم ان تاخذوا بقولی وتتّبعوا سنّتی فمن رضی بقولی فقد رضی بالقرآن ومن استھزأ بقولی فقد استھزأ بالقرآن ۔ (روح البیان) قرآن اس پر دشوار اور کٹھن ہے جو اس کو پسند نہیں کرتا۔ اس پر آسان ہے جو اس کا اتباع کرتا ہے۔ اور میری حدیث حکمت ہے یہ بھی دشوار اور مشکل ہے لہٰذا جو اس کا پابند اور محافظ ہے وہ قرآن کے ساتھ ساتھ ہے اور جو میری حدیث سے سستی کرتا ہے اس کی دنیا و آخرت برباد۔ تم کو حکم ہے کہ میرے قول سے سند لو اور میری سنت کا اتباع کرو۔ لہٰذا جو میری بات کو پسند کرتا ہے وہ قرآن کو پسند کرتا ہے اور میرے کلام سے مذاق کرنے والا قرآن سے مذاق کر رہا ہے "

حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں :۔ ما اتاکم الرسول من خبر الغیب ومکاشفۃ الربّ فخذوہ بالیقین وما نھاکم عنه من النظر الی غیر اللہ فانتھوا عنه ۔ رسول تمہارے ہاں جو غیب کی خبریں اور پروردگار عالم کے مکاشفہ کی باتیں بیان فرمائیں ان کو یقین جان کر مان لیا کرو اور غیر اللہ سے اپنی نظر ہٹانے کے لئے جن جن امور سے منع فرمائیں ان سے باز رہو "

پھر ارشاد ہو رہا ہے (۳) :۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ (نیز فَے) حاجت مندوں کے لئے ہے جو ہجرت کرکے آئے ہیں جن کو ان کے گھروں اور مال و جائداد سے نکال دیا گیا ہے ۔ ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور خوشنودی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اسکے رسول کی ۔ یہی راستباز لوگ ہیں ۔"

مہاجرین کی منقبت حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں :۔ هٰؤلآء المهاجرون تركوا الديار والاموال والاهلين والعشائر وخرجوا حبّاالله ولرسوله واختاروا الاسلام على ما كان فيه من شدّة حتّى لقد ذكر لنا ان الرجل يعصب الحجر على بطنه ليقيم به صلبه من الجوع وان كان الرجل ليتخذ الحفرة فى الشتاء ماله دثار غيرها ۔ (عبدبن حمید ابن المنذر)

مہاجرین وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اپنے گھر بار ، مال جائداد ، اہل عیال اور تمام قرابتدار چھوڑ کر خدا اور رسول کی محبت میں نکل گئے اور دین اسلام کو اختیار کرکے صبر آزما شقتوں میں مبتلا ہوئے ۔ ہم سے یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ ان میں کا ایک ایک شخص بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا تاکہ اس کے سہارے سیدھا

ہو سکے۔ اور ایک ایک شخص جاڑوں میں گڑھا کھود کر اس میں رات گزارتا تھا۔
اوڑھنے کے لئے کچھ میسر نہ تھا تو بس یہی تدبیر تھی" اس آیہ کریمہ میں مہاجرین کے
جو اوصاف ارشاد ہوئے ہیں اس سے ان کی فضیلت ظاہر ہے۔ پھر ارشاد ہے:۔

(۴) وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا
وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ
شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اور (فے ان کے لئے بھی ہے)
جنھوں نے مہاجرین کی آمد سے پہلے جگہ پکڑ رکھی تھی اس دار الہجرت (مدینہ) میں
اور ایمان پر قائم تھے، محبت کرتے تھے ان سے جو ہجرت کر کے ان کے ہاں آئیں
اور مہاجرین کو کچھ دیا جائے تو یہ کوئی تنگی اپنے سینہ میں نہ پاتے، اور ان کو اپنی
جانوں پر مقدم سمجھتے تھے اگرچہ خود پر فاقے گزرتے ہوں اور جس کو نفس کے بخل و
حرص سے محفوظ رکھا گیا وہی تو کامیاب با مراد ہیں"

انصار کی منقبت حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ ھم ھذا الحیّ من
الانصار اسلموا فی دیارھم وابتنوا المساجد قبل قدوم النبی
صلی اللہ علیہ وسلم بسنتین واحسن اللہ علیھم الثناء فی ذلك۔

(عبد بن حمید، ابن المنذر) اس آیۂ کریمہ میں جن کی منقبت ہے وہ قبیلۂ انصار ہے جو اپنے وطن (مدینہ) ہی میں مسلمان ہوئے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم سے دو سال پیشتر یہاں مسجدیں بنائیں۔ اللہ سبحانہ نے ان کی بہترین تعریف فرمائی"

اپنی سابقہ جائداد میں انصار کا ایثار

یزید بن اصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

ان الانصار قالوا یا رسول اللہ اقسم بیننا و بین اخواننا المہاجرین الارض نصفین قال لا ولکن یکفونکم المؤنۃ وتقاسمونہم الثمرۃ و الارض ارضکم قالوا رضینا۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) انصار نے عرض کیا کہ (ہماری زمین کو) ہم میں اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں آدھی آدھی بانٹ دیجئے۔ ارشاد ہوا ایسا نہیں۔ وہ تمھاری (زمین کی) خدمت کیا کریں اور تم پیداوار کو بانٹ کر دیا کرو زمین تو تمھاری ہی رہیگی۔ بولے ہم راضی ہیں"

مطلب یہ کہ ایک کی زمین اور ایک کی محنت، پیداوار میں دونوں شریک۔ رہی زمین وہ بدستور اپنے مالک کی رہیگی۔ محنت کرنے والوں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ سبحان اللہ! کیسی منصفانہ تقسیم ہے جس کی نظیر نہیں۔ یہ تصفیہ تو انصار کی زمین کا تھا جب کہ مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے ابتداءً مدینہ آئے تھے۔

انصار کا ایثار اموال بنی نضیر میں | بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد ان کی اراضی مکانات، باغات، مزرعات، جب سید عالم کے قبض و تصرف میں دئے گئے تو آپ نے مکانات، مہاجرین کو مرحمت فرمائے جن کا مدینہ میں کوئی گھر نہ تھا۔ انصار میں سے صرف ابو دجانہ، اور سہل بن حنیف وغیرہ دو تین کو دیا گیا جو بالکل نادار تھے۔ انصار سے عام طور پر ارشاد ہوا کہ بنی نضیر کے غنائم سے حصہ لینا چاہتے ہو تو اپنی اراضی اور مکانات میں مہاجرین کو شریک ٹھہرالو۔ ورنہ اپنی اراضی اور مکانات پر خود ہی قابض و متصرف رہو اور غنیمت میں سے حصہ نہ لو۔ انصار نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بنی نضیر کے پورے غنائم مہاجرین میں تقسیم فرما دیجئے۔ اس کے بعد بھی ہم اپنی اراضی اور مکانات نصف نصف مہاجرین کو بانٹ دینے تیار ہیں۔ یہ تھا انصار رضی کا ایثار۔ مگر حضور انور نے اس کو قبول و منظور نہ فرمایا۔ بلکہ انصار کی سابقہ جائداد انصار ہی کے لئے برقرار رکھی۔ البتہ غنائم کو مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔

ایثارِ انصار کی ایک مثال | اس کے علاوہ بھی انصار کے ایثار سے متعلق واقعات مشہور ہیں۔ ایک مسلمان نے ناداری کے باعث تین دن تک مسلسل روزہ رکھا۔ افطار و سحر کے لئے کچھ نہ تھا۔ ثابت بن قیس رضی نے قرینہ سے

اس کو تاڑ لیا۔ شام کو اپنے گھر بلایا بی بی سے کہا کہ دستر خوان پر ما حضر رکھ دو بچوں کو سُلا دو۔ چراغ گل کر دو۔ ہاتھ اور منہ سے ایسی آوازیں نکالتے رہو جیسے کوئی کھا رہا ہے مگر خود کچھ نہ کھاؤ تاکہ مہمان اچھی طرح کھا لے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ صبح حضور انور نے فرمایا:۔ یا ثابت! لقد عجب اللہ البارحۃ منکم ومن ضیفکم۔ (مسدد، ابن ابی الدنیا، ابن المنذر عن ابی المتوکل الناجیؒ) ثابت! اللہ سبحانہ کو کل رات تمہاری اور تمہارے مہمان کی ادا بہت پسند آئی" اسی طرح کا واقعہ ابو طلحہ انصاریؓ کو بھی پیش آیا۔ (ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم، ابن مردویہ بیہقی عن ابی ہریرہؓ)۔

دوسری مثال حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک انصاری صحابی کے ہاں کہیں سے بکرے کا سر تحفۃً آیا تو بولے کہ میرے مقابلہ میں میرا فلاں پڑوسی اس کا زیادہ مستحق ہے۔ لہٰذا یہ ان کو دیدو۔ انھوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیجدیا۔ اس طرح بکرے کا سر مسلسل سات گھروں پر بھجوایا گیا۔ پھر ساتویں نے پہلے انصاری کے پاس بھجوا دیا۔ (حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی)۔

تیسری مثال حضرت حذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ یرموک میں میں اپنے

ابن عم کی تلاش میں چلا۔ میرے ساتھ پانی تھا۔ نیت یہ تھی کہ اگر اون کی کچھ جان باقی ہے تو کم از کم پانی پلادوں۔ چنانچہ زخمیوں میں وہ دستیاب ہو گئے۔ پوچھا کیا پانی پئیں گے؟ تو سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ جب پلانا چاہا تو دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آنے لگی۔ ابن عم نے اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤں۔ میں وہاں گیا تو وہ ہشامؓ بن عاص تھے۔ ان سے پوچھا تو اشارۃً کہا کہ ہاں پیوں گا۔ ان کے قریب جاتے ہی ایک تیسرے زخمی کی آہ سنائی دی۔ ہشام نے اشارہ کیا کہ پہلے انکو پلاؤ۔ میں وہاں پہنچا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ پھر ہشام کے ہاں آیا تو وہ بھی وفات پاچکے تھے۔ پھر اپنے ابن عم کے پاس پہنچا تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی ع

خدا رحمت کناد ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہ تھا انصار کے ایثار کا نمونہ رضی اللہ تعالی عنھم۔

کریما کامل آں رامی شناسم اندریں دوراں　　که گر نانے رسد از آسیائے چرخ گردانش
ز استغنائے ہمت باوجود فقر و بے برگی　　ز خود وا گیرد و سازد نثار بے نوایانش

قوم سے خطاب عزیزو! ایک وہ تھے انصار و مہاجرین اور دیگر سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے۔ خود پیاسے جان دے کر دوسروں کی تشنگی دفع کرنے میں کوشاں تھے۔ غنیمت میں سے تصرف

اپنا حصہ دوسروں کے لئے چھوڑ دیا بلکہ اپنی جائداد اور مال و متاع کی تقسیم پر آمادہ رہے۔ ایثار کی حد کر دی کہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اس کو دوسرے کے نکاح میں دیدینے پر راضی ہو گئے۔ ان کے اس ایثار کے کیا آثار نمایاں ہوئے اور اس قناعت نفس کے کیا اثمار برآمد ہوئے وہ بھی آپ سنتے رہتے ہیں۔ اور ایک ہم بھی ہیں کہ سامنے دستر خوان چنا ہوتا ہے جس پر الوان نعمت مہیا ہیں بعض اشیاء کی مساوی تقسیم خود میزبان نے کر رکھی ہے بعض چیزیں ہماری خواہش اور صوابدید پر مشترک رکھ چھوڑی ہیں مقام غور ہے کہ اس وقت ہم میں سے ہر ایک کی نیت کیا ہوتی ہے؟ یہی نا کہ نفیس حصہ دوسروں کے مقابلہ میں خود کو مل جائے۔ اگر سب کو بھی میسر آ رہا ہے تو خود کو زیادہ ملے یا کم از کم پہلے خود کو مل جائے۔ ایسی حرص و آز، تنگ دلی اور کوتاہ بینی کے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔

فدائے دوست نہ کردیم عمر و مال دریغ　　کہ کارِ عشق ز ما ایں قدر نمی آید

زہد کی تعریف حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بلخ کے ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا۔ اس نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک "زہد" کی تعریف کیا ہے؟ میں نے کہا:۔ اذا وجدنا اکلنا و

اذا فقد نا صبرنا۔ ملا تو کھا لیا۔ اور جو نہ ملا تو صبر کر لیا" اس لئے کہا یہ صفت تو بلخ کے کتوں میں بھی ہے۔ بل اذا فقد نا شکرنا و اذا وجدنا آثرنا۔ بلکہ زہد یہ ہے کہ نہ ملا تو شکر کیا اور جو ملا تو ایثار سے کام لیا"

زہد کی فضیلت حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ صلاح اول هذه الامۃ بالزهد والتقوی وهلاك آخرها بالبخل والفجور (بیہقی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٗ) اس امت کے اگلوں کی درستی زہد و تقوی سے اور اس کے پچھلوں کی تباہی و بربادی بخل اور بدکاری کے باعث ہو گی"

یہ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیشگوئی ہے اس میں ہمارے لئے دعوت غور و فکر ہے کہ خوب سوچیں اور سمجھ لیں کہ کیسی حرف بحرف صادق ہے اللہ سبحانہ ہمیں توفیق عنایت فرمائے کہ اب بھی سنبھل جائیں کہ جب تک سانس ہے آس ہے۔ ع۔ تا ریشہ در آب است امید ثمرے ہست

اللھم قنا شح انفسنا آمین ثم آمین۔

ترک شح سے ایثار پیدا ہوتا ہے بہرحال ایثار وہی کر سکتا ہے جو بخل اور حرص جس کے مجموعہ کو شح نفس کہتے ہیں۔ اس سے پاک ہو۔ اور آخرت کی کامیابی ایسے ایثار کرنے والوں کو ہی نصیب ہے۔ بھلا بخیل جو اپنا مال کسی کو

دینا تو کجا خود اپنے نفس پر خرچ نہیں کرتا جتن کرکر کے رکھتا ہے پھر حریص کہ دوسروں کے مال پر نظر جمائے رہتا ہے کہ وہ بھی اسی کو مل جائے باوصفیکہ پیشتر سے جو کچھ ملا ہے اس کو بغیر خرچ کئے اٹھائے رکھا ہے۔ بخل اور حرص دونوں مذموم اوصاف جس میں موجود ہیں وہ کیسے کامیاب ہوگا؟۔

شحِ نفس کیا ہے؟ طاؤس رح فرماتے ہیں:۔ البخل ان یبخل الانسان بما فی یدیہ والشحّ ان یشحّ علی ما فی ایدی الناس۔ (ابن المنذر) بخل یہ ہے کہ انسان اپنی چیز کو خرچ کرنے سے رکا رہے اور شُحّ یہ ہے کہ (خود ایسا ہوتے ہوئے) لوگوں کی چیزوں پر طمع رکھے۔"

حضرت ابن عوف رض کی دعا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ طواف کعبہ میں یہ دعا فرمایا کرتے:۔ اَللّٰھُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن عساکر) الٰہی! مجھے اپنے نفس کی لالچ سے بچائے رکھنا۔" اس کے سوا اور کچھ دعا نہ فرماتے۔ لوگوں نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا:۔ اذا وقیت شُحّ نفسی لا اسرق ولا ازنی ولم افعل شیئا۔ جب میں اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا جاؤں تو نہ چوری کروں گا اور نہ زنا کا مرتکب ہوں گا اور نہ کسی دوسری برائی کی طرف مائل رہوں گا۔" اس لئے کہ چوری میں دوسروں کے

مال سے متمتع ہے اور زنا میں دوسرے کے نفس سے۔ یہی حال دوسری برائیوں کا ہے۔

لالچی کا ایمان کامل نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

لایجتمع الشح والایمان فی قلب عبد ابدا۔ (ابن ابی شیبہ، نسائی، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی عن ابی ہریرہؓ) لالچ اور ایمان کسی بندے کے دل میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔"

ایمان کامل مراد ہے۔ یعنی لالچ دفع کئے بغیر کسی کا ایمان پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

شح نفس سے قطع رحمی اور خونریزی ہوتی ہے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

ایاکم والشح والبخل فانہ دعا من قبلکم الی ان یقطعوا ارحامھم فقطعوھا ودعاھم ان یستحلوا محارمھم فاستحلوھا ودعاھم الی ان یسفکوا دماءھم فسفکوھا۔ (ابن مردویہ، بیہقی عن ابی ہریرہؓ) لالچ اور ناد ہندگی سے بچتے رہو کیونکہ اس بلا نے تم سے اگلے لوگوں کو رشتہ ناطہ توڑنے کی دعوت دی چنانچہ انھوں نے اپنا رشتہ ناطہ توڑ لیا۔ اس بلا نے محارم کے ساتھ مرتکب جرم ہونے کی باڑھ دی چنانچہ انھوں نے حرام کا ارتکاب کیا۔ اس بلا نے ان کو خونریزی پر آمادہ کیا۔ انھوں نے خونریزی تک کی۔" غور کیجئے کہ ایک لالچ کیا کیا گُل کھلاتی ہے۔ استغفر اللہ۔

اسی مضمون کی روایات ادب المفرد للبخاری، مسلم شریف، مسند امام احمدؒ اور بیہقی میں بھی حضرت جابرؓ سے مروی ہیں۔

شحِ نفس بدترین صفت ہے یہ ارشاد مبارک بھی ہوا :۔ شرما فی رجل شُحّ ھالع وجبن خالع (ابن ابی شیبہ ابو داؤد ابن مردویہ بیہقی عن ابی ہریرہ رض) تنگ دلی پیدا کرنے والی لالچ اور دل چھڑا دینے والی بزدلی کسی بھی انسان میں بدترین صفت ہے" مومن کشادہ دل اور بہادر ہوتا ہے۔ لالچ سے تنگ دلی پیدا ہوتی ہے اور بزدل بے ہمت اور کلیجہ چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔ نیز لالچی اور بزدل دونوں میں گہرا لگاؤ ہے گویا یہ دونوں صفتیں لازم وملزوم ہیں اسی لئے دونوں کا بیان ایک ساتھ فرمایا گیا۔ اور چونکہ لالچ ہی سے انسان بزدل ہوجاتا ہے اس لئے اس کو مقدم رکھا گیا لہذا مومن کو اس سے بچنا چاہئے۔

شحِ نفس کا علاج حضور اکرم سید الحکماء علیہ صلوات رب الارض والسماء نے فرمایا:۔ ثلاث من کنّ فیہ فقد بریٔ من الشحّ من ادّی زکاۃ مالہ وقری الضیف واعطی فی النوائب۔ (ابن مردویہ عن جابر رض) تین خصلتیں ہیں جس شخص میں یہ خصائل موجود ہوں وہ شحِ نفس (لالچ) جیسی روحانی بیماری سے بھلا چنگا ہوگیا۔ جس نے[1] اپنے مال کی زکاۃ ادا کی مہمان کی[2] مہمانی کی اور حوادث[3] وآفات میں کچھ دیا" مطلب یہ کہ کسی انسان میں شحِ نفس کا مرض ہو تو اس کو یہ تین کام کرنے چاہئیں اس سے یہ مرض دفع ہوجائے گا۔

اسی مضمون کی حدیثیں حضرت خالد بن یزید اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی آئی ہیں جو عبد بن حمید ابن جریر اور بیہقی کی کتابوں میں مذکور ہیں ۔ سرمایہ داروں کے لئے اس میں لمحۂ غور و فکر ضروری ہے ۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ کی تفسیر

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ اور (فے کے حق دار) وہ ہیں جو مہاجرین و انصار کے بعد آئے " مہاجرین و انصار کے بعد آنے والوں سے مراد وہ ہیں جو اکمال دین یا اسلام کے قوی ہونے اور غربت اسلام دور ہو جانے کے بعد اسلام میں شامل ہوئے یا اس کے بعد پیدا ہوئے یعنی تابعین و تبع تابعین اور ان کے اتباع الی یوم الدین کہ یہ جس وقت عالم وجود میں آئے دین اسلام کامل اور قوی ہو چکا تھا ۔ شجرۂ اسلام کی جڑیں اللہ کی زمین میں مضبوط ہو چکی تھیں ۔ اب ان کو روئے زمین پر اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا ۔ مسلمان نہایت امن و چین کے ساتھ احکام دین کی اشاعت کر رہے تھے ۔ کوئی قوت اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں مانع و مزاحم نہ تھی ۔ یا بالفاظ دیگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد کا دور یعنی خلافت راشدہ سے لے کر قیامت قائم ہونے تک مراد ہے ۔ گویا تمام مسلمان کلمہ گویان اسلام فے میں شریک ہیں

خلافت راشدہ میں فے کی تقسیم

چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وجدت المال قسم بين هذه الثلاثة الاصناف المهاجرين والانصار والذين جاءوا من بعدهم۔ (ابن ابی شیبہ) میں نے مالِ فَے کو ان تین صنفوں میں تقسیم شدہ پایا۔ مہاجرین و انصار اور وہ جو ان کے بعد آئے۔" حضرت حسن بصریؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔

عہد فاروقی کا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ اجتمعوا لهذا المال فانظروا لمن ترونه ثم قال لهم امرتكم ان تجتمعوا لهذا المال فانظروا لمن ترونه وانی قرأت آیات من كتاب الله فكفتنی سمعت الله يقول ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فلله وللرسول الى قوله اولئك هم الصادقون والله ما هو لهؤلاء وحدهم والذين تبوّؤا الدار والايمان الى قوله المفلحون والله ما هو لهؤلاء وحدهم والذين جاءوا من بعدهم الى قوله رحيم والله ما احد من المسلمين الا له حق فى هذا المال اعطى منه او منع منه حتى راع بعدن ۔ (ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن مردویہ بیہقی)

اس مالِ فَے کے لئے جملہ اہل علم جمع ہو کر غور کریں کہ کن کن میں یہ تقسیم شدنی ہے۔ پھر (چندے انتظار کے بعد) فرمایا۔ میں نے آپ تمام صاحبین سے فرمائش

کی تھی کہ اس مال کے بارے میں غور کرکے متفقہ فیصلہ صادر کریں کہ کس کس کو دینا آپ کی رائے میں مناسب ہے ہاں میں نے قرآن کریم کی یہ چند آیاتِ کریمہ پڑھی ہیں جو (اس مسئلہ کے حل کے لئے) بس ہیں جن میں ارشادِ الٰہی ہوا ہے بستی والوں سے جو کچھ اللہ سبحانہ نے اپنے رسول کو (بغیر جدال وقتال کے) دلادیا وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے۔ اس آیت کریمہ کو اولٰئک هم الصادقون تک پڑھ جاؤ۔ (کہ اس میں جن جن کا ذکر ہے وہ سب اس میں شامل ہیں) بخدا! صرف ان ہی کے لئے یہ اموال مختص نہیں بلکہ (انصار) جنہوں نے مہاجرین کے لئے اپنے مکانات تیار کر رکھے تھے وہ بھی اس میں شریک ہیں۔ اس آیہ کریمہ کو بھی مفلحون تک پڑھ جاؤ۔ بخدا یہ اموال انہیں تک محدود نہیں بلکہ جو ان کے بعد آئے اس کو بھی رحیم تک پڑھ جاؤ کہ وہ بھی ان کے شریک وسہیم ہیں اب ان کو دیا جائے یا نہ دیا جائے مستحق ضرور ہیں تا آنکہ عدن جیسے دور دراز مقام میں بھی اگر کوئی چرواہا ہو تو وہ بھی اس کا حق دار ہے۔

فیصلۂ بالا سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق ایک دفعہ یہی تقریر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکابر صحابہ حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، ابن عوف، مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں حضرت سیدنا علی اور عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ فرمائی عہد مبارک رسالت اور حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے عمل درآمد سے بھی وضاحت فرمائی جسکو سبھوں نے تسلیم فرمالیا۔ پوری تقریر، ابوعبید عبد بن حمید بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی نسائی، ابوعوانہ، ابن حبان اور ابن مردویہ نے اپنی کتب احادیث شریفہ میں روایت کی ہیں۔ جو حضرت مالک بن اوسؓ سے مروی ہے۔

فَے کے احکام عہد حاضر میں بہرحال مال غنیمت کی تقسیم کا کچھ بیان اوپر گزر چکا۔ اس کی تفصیل دسویں پارہ کی ابتدائی آیت کریمہ واعلموا انما غنمتم کی تفسیر سے معلوم ہوگی۔ فَے کو خالص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار و تصرف میں مالکانہ یا حاکمانہ حیثیت سے دے دیا گیا جس کا ایک حصہ آپ صرف خاص مبارک (ذات اقدس، ازواج مطہرات، آل اطہار اور اہل قرابت) نیز یتامیٰ، مساکین اور ابناء السبیل (مسافروں) پر صرف فرماتے رہے۔ ایک حصہ مہاجرین میں تقسیم فرمایا۔ ایک حصہ انصار کا تھا انھوں نے ایثار سے کام لیا۔ باقی عام ضروریات اسلام و مسلمانان پر صرف ہوتا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اموالِ فَے، امام وقت کے اختیار و تصرف میں ہوتے ہیں۔ امام کا یہ تصرف مالکانہ نہیں محض حاکمانہ ہوتا ہے جس کو وہ اپنی صوابدید اور مسلمانوں کے مشورہ سے

مسلمانوں کی ضروریات اور مصالح عامہ پر خرچ کرے گا۔ کیوں کہ اب صرف خاص مبارک کے ابواب نہیں رہے اور نہ آپ کی نصرت کئے ہوئے قرابت دار یا مہاجرین وانصار رہے۔ البتہ یتامیٰ مساکین، ابناء السبیل سے زمانہ خالی نہیں۔ اگر ان میں سادات بنی ہاشم ہوں جن کو زکاۃ نہیں دی جا سکتی تو ان بزرگوں کی خدمت سب سے مقدم تر ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہیہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

(مہاجرین وانصار کے بعد جو آئے) یہ کہتے ہوئے کہ اے رب! بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے دائرہ ایمان میں داخل ہوئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کا بیر نہ رکھ۔ اے رب! تو ہی نرمی والا مہربان ہے۔"

سلف صالحین کیلئے دُعا بہترین سلوک ہے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں آیات کریمہ کی ایک دن تلاوت فرمائی:۔ ۱ للفقرآء المہاجرین۔ ۲ والذین تبوؤالدار والایمان ۳ والذین جاءوا من بعدھم۔ پہلی آیت کے بعد فرمایا :۔۔۔۔۔

ھولاء المھاجرون وھذہ منزلۃ وقد مضت ۔ یہ مہاجرین ہیں، یہ بڑی منزلت ہے جو گزر چکی (یہ منزلت اب کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی) پھر دوسری آیت پڑھ کر فرمایا: ــــ وھٰؤلاء الانصار وھذہ منزلۃ قد مضت ۔ یہ انصار ہیں، ان کا اعزاز بھی بہت بڑا ہے یہ بھی گزر چکے (یہ اعزاز بھی آئندہ کسی کو نہیں مل سکتا) پھر تیسری آیت کے بعد فرمایا: ــــ وبقیت ھذہ المنزلۃ فاحسن ما انتم کائنون علیہ ان تکونوا بھذہ المنزلۃ (حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) اب یہی ایک منزلت رہ گئی ہے لہٰذا بہترین صفت جس پر تم رہ سکتے ہو وہ یہی منزلت ہے۔" مطلب یہ کہ صحابۂ کرامؓ مہاجرین وانصارؓ کے فضل کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہو اور اپنا دل ان سے صاف رکھو ۔ یہی بہترین راہ سلوک ہے کہ سلف صالحین سے قلوب صاف رہیں ۔

سلف صالحین میں کلام کرنے پر ابن عمرؓ کا عتاب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص کو مہاجرین میں سے کسی کی شان میں کچھ کلام کرتے ہوئے سنا تو اس کو للفقرآء المھاجرین والی آیہ کریمہ پڑھ سنائی پھر فرمایا: ــــ ھٰؤلاء المھاجرون فمنھم انت قال لا ۔ یہ مہاجرین ہیں

کیا تو ان میں شامل ہے؟ اس نے کہا "نہیں"۔ پھر اس کو اس کے بعد والی یہ کریمہ والذین تبوؤا الدار والایمان سنا کر فرمایا: ھؤلاء الانصار فانت منھم قال لا۔ یہ انصار ہیں۔ کیا تیرا شمار ان میں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ پھر اس کے بعد والی تیسری آیت کریمہ پڑھی: والذین جاءوا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا۔ اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے یہ کہتے ہوئے کہ اے رب ہمارے! بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان میں داخل ہوئے اور ہمارے دلوں میں ان ایمان والوں کے ساتھ کسی طرح کا کھوٹ نہ رکھیو"۔ پھر فرمایا:۔ أفمن ھؤلاء انت قال ارجو قال لا لیس من ھؤلاء من یسب ھؤلاء۔ (ابن مردویہ) کیا تو ان میں شریک ہے؟ اس نے کہا مجھے امید ہے (کہ میں ان میں شریک ہوں) ابن عمرؓ نے فرمایا۔ نہیں۔ جو ان کو سبّ وشتم کرے وہ ان میں شریک نہیں ہو سکتا"۔

ام المومنین کا عتاب حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔ أمروا ان یستغفروا لاصحاب النبی صلی اللہ علیہ سلم

فسبتوھم ثم قرأت ھٰذہ الآیۃ والذین جاء وامن بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (عبدبن حمید ابن المنذر ابن ابی حاتم ابن الانباری ابن مردویہ) ان لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہیں انھوں نے بجائے دعاو استغفار کے سب وشتم شروع کردیا ۔"

سلف پر لب کشائی بدعت ہے

ضحاکؒ فرماتے ہیں :۔ اُمِروا بالاستغفار لھم قد عُلِم ما احدثوا ۔ (عبدبن حمید) ان لوگوں کو صحابہؓ کرام کے حق میں استغفار کرتے رہنے کا حکم ہوا ہے ۔ بجائے اس کے انھوں نے جو احداث فی الدین کیا وہ سب کو معلوم ہے ۔" اسی بنا پر امام مالکؒ فرماتے ہیں :۔ ومن کان لہ فی احد من الصحابۃ رضی اللہ عنھم قول سیئ او بغض فلا حظ لہ فی الفیٔ ۔ جو کوئی کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی بابت لب کشائی کرے یا اُن سے بغض رکھے اس کا فَے میں کوئی حصہ نہیں ۔"

مجتہدین کی خطا بھی اجر سے خالی نہیں

والحذر ثم الحذر من التعرض لما شجر بین الصحابة فانھم کلھم عدول خیر القرون مجتھدون مصیبھم له اجران ومخطئھم له اجر واحد (فتح القریب شرح ترغیب ترہیب) صحابۂ کرامؓ کے باہم جو اختلافات ہوئے اون کے ذکر سے احتراز کامل کیا جائے کیوں کہ وہ سب کے سب ثقہ، عادل ہیں۔ خیر القرون میں داخل، اور صاحب اجتہاد ہیں۔ جن کی رائے صواب پر تھی اون کو دونا اجر تھا۔ اور جن سے غلطی ہوئی اُن کو ایک اجر ہے۔

اصل یہ ہے کہ اصحاب کرامؓ کے باب میں ارشاد باری عز اسمہ ہے :—

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے قبل راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کرتے رہے ان کے برابر (کوئی) نہیں ہو سکتا۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے اُن سے جنھوں نے (فتح مکہ کے) بعد (راہ خدا میں) خرچ کیا اور جہاد کرتے رہے۔ اور ہر ایک (فریق) سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے" اگر بعد کو باہم کچھ شاخسانے رونما ہوئے تو ان کو اس طرح طے فرما دیا گیا:۔ ونزعنا ما فی صدورھم

من غلّ اخوانا علی سرر متقابلین۔ اور جو کچھ ان میں باہم شکر رنجی تھی ہم نے ان کے سینوں سے نکال دی۔ وہ بھائی بھائی ہوکر ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر ہوں گے۔"

دل صاف رکھنے کی فضیلت حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یطلع علیکم الآن رجل من اہل الجنۃ فطلع فیہا رجل من الانصار۔ اب تم پر اہل جنت سے ایک شخص نمودار ہوگا۔ اتنے میں ایک انصاری آئے " آپؐ ایسا ارشاد تین دن تک فرماتے رہے اور ہر روز وہی انصاری آتے رہے " عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا بیان ہے کہ میں ان کے ہاں آیا اور کہا چچا! آپ مجھے کیا اپنا مہمان بنائیں گے؟ انھوں نے قبول کرلیا۔ ان کا ایک خیمہ اور ایک بکری بھی تھی شام کو انھوں نے بکری کے دودھ اور کھجوروں سے میری ضیافت کی۔ پھر میں تمام رات نمازیں پڑھتا رہا اور وہ سوتے رہے۔ دن کو میں نے روزہ رکھا وہ روزہ دار نہ تھے۔ اسی طرح تین دن گزرے۔ میں نے کہا ان میں کیا بات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ایسی فضیلت بیان فرمائی؟ بالآخر ان سے دریافت کیا تو فرمایا:۔ لو کانت الدنیا لی فاخذت منی لم احزن علیہا

ولو اعطیتھا لم افرح بھا و ابیت ولیس فی قلبی غل علی احد۔ (حکیم ترمذی نسائی) اگر تمام دنیا میرے ہاں ہوتی اور تم اس کو لے لیتے تو مجھے اس کا غم نہیں اور اگر تمام دنیا میرے پاس ہی رہے تو مجھے اس کی کوئی خوشی نہیں۔ اور میں رات اس حالت میں گزارتا ہوں کہ میرے دل میں کسی سے کوئی کینہ یا رنج نہیں رہتا"۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ حقیقت حال یہ ہے۔ اور میری حالت تو یہ ہے کہ مجھے ایک بکری بھی مل جائے تو اس سے خوش ہوتا اور اس کے چلی جانے سے رنجیدہ ہوتا ہوں"۔ بہرحال کینہ کے ترک میں کیا فائدہ ہے اس کو سمجھ لینا چاہیے۔

59-11 آگے ارشاد ہے:۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

59-12 يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دغا باز ہیں کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جو کہ کافر ہیں اہل کتاب میں سے اگر تم نکالے جاؤ گے تو ہم بھی نکل جائیں گے تمہارے ساتھ، اور کہا نہ مانیں گے تمہارے

(۵۹ : آیات ۱۱، ۱۲)

معاملہ میں کسی کا کبھی اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمھاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ محض جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے جائیں تو یہ نہ نکلیں گے اُن کے ساتھ، اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی تو یہ اُن کی مدد نہ کریں گے اور اگر مدد کو آئیں بھی تو پیٹھ پھیر لیں گے پھر کہیں مدد نہ پائیں گے۔"

بنی نضیر کو منافقین کا پیام | یہ منافقین، عبداللہ بن اُبی، رفاعہ بن تابوت عبداللہ بن نبتل، اوس بن قیظی، ودیعہ بن مالک، سُوید، داعس وغیرہ تھے جو بنی عوف بن حارث سے تھے۔ بنی نضیر (یہود) سے ساز باز رکھتے تھے۔ ابن اُبی منافقین نے اپنا خفیہ پیام یہود کے پاس بھیجا کہ ڈرو نہیں۔ اگر محمدؐ تم کو مدینہ سے نکل جانے کو کہیں تو ہم سب تمھارے ساتھ چلے جانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ پھر وہ اپنی تنہائی سے خوف کھا کے اپنا حکم واپس لے لیں گے۔ اور تمھارے معاملہ میں ہم کسی کی نہ سنیں گے اور کبھی اس کی بات نہ مانیں گے۔ یعنی تم سے لڑنے یا خارج البلد کرنے کی تجویز ہمارے سامنے پیش ہو تو کبھی ہم اس کو تسلیم نہ کریں گے اور اگر وہ تم سے جنگ کرنے کے لئے آئیں تو میری قوم کے دو ہزار سپاہی ہیں۔ نیز تمھارے ساتھ بنی قریظہ کے یہود ہیں۔ مشرکین مکہ کی کمک علیحدہ آئیگی۔ غطفان تمھارے حلیف ہیں۔ ہم سب مل کر اس وقت تک لڑیں گے کہ ایک متنفس بھی باقی نہ رہے

باہر میدان میں نکل کر نہ لڑو۔ قلعہ بند ہو جاؤ۔ ان حالات میں غنیم کیا کر سکتا ہے؟
رئیس المنافقین ابن اُبی کے اس خفیہ پیام کی اطلاع وحی کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو ہو گئی۔ اللہ پاک نے فرمایا:۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ
اللہ گواہی دیتا اور اطمینان دلاتا ہے کہ منافقین محض جھوٹے ہیں"۔ اگر یہود
بنی نضیر یہاں سے جلاوطن کئے جائیں تو یہ منافقین یہاں سے نکل کر چلے جانا
تو کجا' یہاں سے جانے کے لئے آمادہ تک نہیں ہوں گے اور نہ جنگ چھڑنے کی
صورت میں ان کی مدد کو آسکیں گے۔ اگر بفرض محال مدد کو آئیں بھی تو پیٹھ
پلٹا کر راہِ فرار اختیار کر لینے کے سوا ان کو چارہ نہ ہو گا۔ پھر بنی قریظہ کی مدد کو
کوئی نہ آسکیگا۔ نہ یہ منافقین' نہ مکہ کے مشرکین' نہ بنی قریظہ کے یہود' نہ غطفان کے
حلیف'۔ وحی کے ذریعہ یہ اطلاع واقعہ کے وقوع سے پیشتر دی گئی جیسا کہ سیاق کلام سے
ظاہر ہے۔ اور فی الواقع ہوا بھی ٹھیک اسی طرح کہ جب تین چار سو صحابہ کیساتھ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی نضیر کی بستی میں پہنچ گئے تو ان پر مسلمانوں کا
ایسا رُعب چھا گیا کہ کسی کو میدان میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مکانات اور
درخت جو درمیان تھے اون کو منہدم کیا گیا اور قطع کیا گیا تو اپنی آنکھوں سے
اس تباہی کا منظر دیکھتے ہوئے بھی مقابلہ پر اُتر آنے کی طاقت نہ تھی۔

درختوں کی قطع و برید کا شکوہ بالاحصار پر سے کرتے رہے مگر میدان میں نہ آسکے۔ اور قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ بنی نضیر کی پست ہمتی اور دناءت کا سبب کیا تھا اور منافقین کی وعدہ خلافی کی بنیاد کیا تھی اس کا بیان آگے کی آیۂ کریمہ میں آرہا ہے:۔

(۵۹ ع۲ – ۱۳، ۱۴) لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِىْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۚ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝

البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے اُن کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے لڑ نہیں سکتے تم سے سب مل کر مگر بستیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیواروں کی آڑ میں ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے۔ آپ سمجھیں گے کہ اکٹھے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کے دل پارہ پارہ ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔

ایک ضروری تنبیہ | یہاں لَاَنْتُمْ میں لام تاکید کے لئے ہے جس کے معنی البتہ یا ضرور کے ہوتے ہیں۔ لَا حرف نفی نہیں ہے۔ لام کے بعد کا الف صرف رسم الخط کے لئے ہے یعنی لکھنے میں آتا ہے پڑھنے میں نہیں آتا۔ لہٰذا اس کو پڑھنا

نہ چاہئے بلکہ لَاَنۡتُمۡ پڑھنا چاہیے۔

لَا یَفۡقَھُوۡنَ کی تفسیر | منافقین اور یہود کی مرعوبیت کا اصل اور بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کی نظر مادّہ اور صورت تک محدود ہے۔ وہ صرف ظاہری صورت حال کو دیکھتے ہیں۔ غیبی طاقت کے وہ قائل نہیں۔ اللہ سبحانہ پر ان کو ایمان نہیں ہے تو خوف خدا اور اس کی خشیت کیا چیز ہے وہ جانتے ہی نہیں جب ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کیوں کہ ان کو اللہ ہی معلوم نہیں تو اللہ کا ڈر کیا ہوتا ہے وہ کیا جانیں ایسے بلید اور کج فہم واقع ہوئے ہیں کہ جب تک وہ کسی چیز کو آنکھ سے نہ دیکھیں اس کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں جو اللہ کے بندے ہیں۔ یہ ڈر اس لئے ہے کہ وہ ان کے مقابل سر بکف کھڑے ہیں۔ اور خود اللہ سے نہیں ڈرتے جو ساری کائنات کا مالک خالق اور رب ہے اسلئے کہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ۔ یہ اسلئے کہ ان لوگوں کو سمجھ نام کو نہیں۔"

لا یعقلون کی تفسیر | پھر منافقین، یہود وغیرہ کفار جب مسلمانوں سے لڑتے ہیں تو دو بدو لڑائی نہیں کرتے۔ قلعہ بند ہو کر خندق نشیں ہو کر دیواروں کی آڑ سے

ہتھیاروں کا سہارا لے کر اگر لڑائی ان کے آپس میں ہوتی ہے تو دل کھول کر مقابلہ کرتے اور خوب بہادری دکھاتے ہیں لیکن جہاں مسلمانوں سے مقابلہ ہوا تو اپنی ساری بہادری بھول جاتے اور مذکورہ طور و طریق اختیار کرتے ہیں۔ ان کا رعب داب ان کے آپس میں تو پورا پورا ہے مگر مسلمان کے مقابلہ میں ان کی ایک نہیں چل سکتی سبب یہ ہے کہ مسلمان کو صرف اللہ سبحانہ کی ذات، اور اس کی تائید و نصرت پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اپنی قوت و طاقت، فوج کی کثرت و اسلحہ و قلعہ، دیوار و خندق پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ بھی اپنی بساط بھر ان مادی کوششوں سے بے اعتنائی نہیں برتتا۔ آپس کی لڑائیوں اور مسلمانوں کے مقابلہ کا یہ فرق دیکھتے ہوئے بھی ان کو اللہ سبحانہ پر ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۔ یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں کو عقل ہی نہیں۔"

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ جیسے قصہ ان لوگوں کا جو ہو چکے ہیں ان سے پہلے قریب ہی چکھی انھوں نے سزا اپنے کئے کی، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

یہ غزوۂ بنی قینقاع کی طرف اشارہ ہے جو حوالی مدینہ میں یہود کی ایک بستی تھی یہاں کے باشندے یہودیوں میں بڑے بہادر مشہور تھے حضور انور صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم نے ان سے بھی عدم اقدام کا معاہدہ فرمایا تھا مگر انھوں نے غداری کی حضور انور کو ان سے لڑنا پڑا۔ بالآخر وہ شام کی طرف جلاوطن کر دیے گئے۔ نیز غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے جو اس سے بھی پیشتر قریب زمانہ ہی میں ہو چکا تھا یہ جنگ مکہ کے مشرکین سے ہوئی تھی جس کا واقعہ مشہور ہے۔ بہرحال مذکورہ لڑائیوں میں کفار اور یہود کی جو گت بنی تھی ٹھیک اسی طرح بنی نضیر کو بھی اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑی یہ تو دنیا کی سزا تھی عذاب آخرت جوں کا توں ان کے سر رہا۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ 59-1
اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ فَكَانَ 59-1
عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ع ۲ ۵

جیسے قصہ شیطان کا جب کہا انسان کو تو منکر ہو۔ پھر جب وہ منکر ہو گیا تو کہتا ہے میں الگ ہوں تجھ سے، ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب ہے سارے جہاں کا۔ پھر انجام ان دونوں کا یہی کہ وہ دونوں آگ میں، ہمیشہ رہیں اسی میں اور یہی ہے سزا گنہ گاروں کی۔"

فریب شیطان کی ایک مثال تفاسیر میں بنی اسرائیل کے ایک راہب کا قصہ

لکھا ہے کہ شیطان نے اپنے اغوا سے اس کو ایک خون کے مقدمہ میں گرفتار کرا دیا جب اس کو سولی دی جانے لگی تو نمودار ہو کر کہا کہ مجھے سجدہ کرے گا تو بچا پائیگا جب اس نے سجدہ بھی کر لیا تو یہ کہہ کر علحدگی اختیار کر لی کہ میں تیرا ساتھ نہیں دے سکتا مجھے رب العلمین کا ڈر لگا ہوا ہے۔ (گو اس کی یہ بات بھی پُر فریب ہے) مگر انجام اس کا اور شیطان کا یہی ہے کہ دونوں دوزخ کے کندے قرار پائے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کے ایندھن بنے رہے۔ (عبدالرزاق، ابن راہویہ امام احمد، عبد بن حمید، تاریخ بخاری، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ بیہقی عن علی بن ابی طالبؓ)۔

منافقین کا فریب ٹھیک یہی مثال ان منافقین اور بنی نضیر کی ہے کہ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے بنی نُضیر کے یہود کو شہ دیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غداری اور بدعہدی پر آمادہ کیا۔ پھر آپ کے مقابلہ میں آمادۂ قتال کیا۔ اپنی تائید کا یقین دلایا، کفار مکہ، بنی قریظہ اور غطفان کی مدد کی آس دلائی۔ جب مدد کا وقت سر پر آن پہنچا تو مدد کے لئے کیا آتا گھر سے باہر تک نہ نکلا نہ قریش مدد کو آئے اور نہ بنی قریظہ و غطفان۔ بنی نضیر کے پورے قبیلہ پر آفت آئی۔ وہ در بدر ہو گئے۔ دُنیا

اس طرح تباہ ہوئی۔ آخرت کی تباہی بدستور سر پر ہے جس سے نہ بنی نضیر چھوٹ سکتے ہیں اور نہ ابن اُبی اور اس کے ساتھی اعوانٌ انصاً خسر الدنیا والآخرۃ

شیطانی فریب کی دوسری مثال

غزوۂ بدر میں بھی شیطان نے کفار مکہ کو یہی سبز باغ دکھایا تھا کہ تم مسلمانوں سے لڑنے کو چلو میں تمھاری مدد کو آتا ہوں۔ جب لڑائی چھڑ گئی اور مسلمانوں کی مدد کو فرشتے اترتے دیکھے تو وہاں سے پہلو تہی کر کے ابوجہل کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کے بھاگا۔ یہ کہتے ہوئے کہ میں جن کو دیکھ رہا ہوں ان کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ سورۂ انفال میں اس کا بیان ہے بدر میں بھی نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کے ستر سر غنے تہ تیغ ہو گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اب نہ ابلیس نار دوزخ سے چھوٹ سکتا ہے اور نہ کفار۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ 59
لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَکُوْنُوْا 59
کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ط اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ 59
ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور

(۵۹ الحشر ۲۰)

چاہئے کہ دیکھتا رہے ہر شخص وہ کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے

بے شک اللہ کو پوری خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جنھوں نے

بھلادیا اللہ کو، پھر بھلادیا اللہ نے خود ان کو، وہی لوگ ہیں نافرمان۔

برابر نہیں دوزخ والے اور بہشت والے، بہشت والے جو ہیں وہی ہیں مراد پانیوالے۔

اہل ایمان سے خطاب یہود اور منافقین کے حالات بیان کرنے کے بعد اہل ایمان کو مخاطب کر کے نہایت بلیغ انداز میں نصیحت فرمائی جا رہی ہے کہ ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور فکر فردا میں لگے رہو۔ آج تم دنیا میں ہو کل کی کسی کو خبر نہیں کہ کیا ہوگا؟ خوف خدا یہی ہے کہ جو احکام دئے گئے ہیں ان کو بجالاؤ اور جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہو۔ احکام کی تعمیل میں سبقت کیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وقت آخر آن پہنچے اور کام کرنے کا موقع نہ ملے کوئی برا کام ہوا ہے تو فوراً توبہ کر لو سستی کرو گے تو کیا معلوم ہے کہ پھر توبہ نصیب ہو گی یا کب؟ ؎

چند گوئی کہ بہ پیری رسم و توبہ کنم ہیچ دانی کہ بہ پیری برسی یا نرسی

بہر حال جو کچھ کرنا ہے آج ہی کر لو کہ یہ نقد وقت ہے۔ آج جو کچھ کرو گے وہ کل تمھارے سامنے رہیگا۔ اب دیکھ لو کہ اچھا کام کر رہے ہو یا برا۔

وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ کا یہ مطلب ہوا۔

فردائے قیامت کی وجہ تسمیہ روز قیامت کی تعبیر غد (آنے والے کل کے دن) سے جو کی گئی اس میں یہ بتانا منظور ہے کہ قیامت کو دُور نہ جانو۔ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے جو تباہی کا پیش خیمہ ہے، بلکہ اس کو قریب تر خیال کرو اس سے مستعدی پیدا ہوگی۔ اور یہی کلید کامیابی ہے۔ نیز یہ حیات دنیا اور اس کی یہ رنگینی کچھ پائدار نہیں۔ صرف عارضی ہے۔ لہٰذا اس کی درازی جس قدر بھی دکھائی دے ایک ہی نوعیت رکھتی ہے۔ اس لئے یہ بجائے ایک دن کے ہے۔ اور قیامت کی نوعیت اس سے مختلف ہے اس اعتبار سے روز قیامت دوسرا دن ہوا جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے دونوں کے درمیان فصل نہیں ہے لہٰذا اس کو آنے والا کل کا دن (غد) کہنا صحیح ہوا۔ اسی بنا پر یہ مثل مشہور ہے:۔ فردا گویند و فردائے قیامت مراد مے گیرند" اور وہ دن کب ہوگا چونکہ کسی کو معلوم نہیں اس لئے یہی سمجھنا ہوگا کہ وہ کل ہی آنے والا ہے۔ اسی لئے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے:۔ وما امر الساعۃ الا کلمح البصر او ھو اقرب۔ ساعت (قیامت) کا واقعہ پلک جھپکنے بلکہ اس سے بھی قریب تر درپیش ہوگا"

اتقوا اللہ کی تفسیر اس کے بعد دوبارہ ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ

اللہ سے ڈرتے رہو"۔ یعنی اپنے تحفظ اور بچاؤ کا سامان کرو۔ اس سے یا تو تاکید منظور ہے کیوں کہ معاملہ کٹھن ہے یا یہ کہ پہلے جملہ اِتَّقُوا اللّٰہَ سے مراد ادائے واجبات کی جانب توجہ دلانی مقصود تھی اور اس کو دوبارہ جو دوہرایا گیا اس سے مقصود منہیات سے بچنے کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ کیوں کہ پہلے اِتَّقُوا اللّٰہَ کے بعد ارشاد ہوا تھا وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ جس میں کردنی کاروبار کی طرف اشارہ تھا۔ اور یہاں دوسرے اِتَّقُوا اللّٰہ کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ سبحانہ کو اس کی پوری پوری خبر ہے"۔ جو بھی غلطی کروگے وہ چھپ نہ سکیگی تو یہ منہیات اور محرمات کی طرف اشارہ ہوا کہ ان سے بچتے رہو۔ بہرحال دونوں تفسیریں درست ہیں۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا تقویٰ عوام کا ہے کہ اس سے مراد احکام کو بجالانا اور ممنوعات سے باز رہنا۔ اور دوسرا تقویٰ خواص کا کہ ماسوی اللہ کا خیال دل سے نکال لینا ہے:۔

اصلِ تقویٰ کہ زادِ ایں راہ ست　　ترکِ مجموع ماسوی اللہ ست

اہل ایمان کو نصیحت | نیز اہل ایمان کو نصیحت فرمائی جارہی ہے کہ مسلمانو! تم ان میں شامل نہ ہونا جو خدا کو فراموش کر چکے یعنی کفار اور منافقین کیونکہ

کفار تو خدائے واحد کے منکر ہیں اور منافقین صرف زبان سے اقرار کرتے مگر دل سے انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔ اگر اللہ کو فراموش کر جاؤ گے تو اللہ سبحانہ کا تم سے بھی یہی سلوک ہوگا۔ تم راحت میں اس کو یاد نہ کرو تو مصیبت میں وہ تم کو کیوں یاد رکھیگا۔ تم حق اللہ کو فراموش کر جاؤ تو کس منہ سے اپنا حق جتاؤ گے درحالیکہ اللہ سبحانہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، دل، دماغ، عقل و فہم، جملہ قویٰ اور صلاحیتیں ہم کو اللہ سبحانہ نے ہمارے کسی عمل کے بغیر اپنے فضل و کرم سے بخش دیں کہ ہم مدۃ العمر اس کے بندے بنے رہیں۔ بجائے اس کے اگر کفار و منافقین کی طرح اللہ سبحانہ کو ہی بھول جائیں تو یہ بڑی بدبختی ہوگی۔ اصول تو یہ ہے:۔ فاذکرونی اذکرکم۔ تم ہماری یاد میں رہو تو ہم بھی تمہارا لحاظ رکھیں گے۔

مضمون بالا کا خلاصہ آخر پر نتیجہ اور خلاصہ کے طور پر ارشاد ہو رہا ہے کہ دوزخ والے اور جنت والے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی کامیاب ہیں۔ کیونکہ اصحاب نسیان جو خدا کو بھولے رہے خدا فراموشی کی پاداش میں دوزخ کے مستحق قرار پائے۔ اور اصحاب ذکر جو اللہ سبحانہ کی یاد میں لگے رہے یاد حق کی بدولت جنت کے حق دار ٹھہرے۔ صفات

دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اصحاب ذکر جن کی زندگی یادالٰہی میں بسر ہوئی کامیابی کا سہرا انہیں کے سر رہا۔ اتقوا اللّٰہ کا حکم جو دیا گیا تھا اس کے مطابق اوامر کی تعمیل کی اور نواہی سے اجتناب کیا' تقویٰ کو اپنا شعار بنایا' تکلیف ہو یا راحت' تنگ دستی ہو یا فراغ دستی' صحت ہو یا مرض' حالت حضر ہو یا سفر' زندگی کے جو مراحل بھی درپیش ہوئے ہر حال میں یادالٰہی ان کا طرۂ امتیاز رہا۔ ماسوی اللہ سے کبھی دل نہ لگایا تو بحکم ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم (تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک یقیناً وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے)۔ دخول جنت کے اعزاز سے سرفراز ہوئے۔ باقی کفار و منافقین جن کی زندگی کا طریقہ' ان سے مختلف تھا۔ گھاٹے میں رہے اور دوزخ میں جا پڑے۔ امتحان زندگی میں ناکام رہے۔ اس ناکامی پر جتنا افسوس بھی کیا جائے کم ہے۔

ان آیات ثلاثہ کی عملی تفسیر حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر تھا۔ اتنے میں ایک جماعت کمل باندھی ہوئی تلواریں لٹکائی ہوئی آئی۔ اس کے سوا ان کا کوئی اور لباس نہ تھا۔ ان میں کے اکثر لوگ قبیلۂ مضر کے تھے۔ ان کے کھانے کپڑے کی اس تنگی کا مشاہدہ فرماتے ہی چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا۔ فوراً آپؐ گھر میں چلے گئے

پھر مسجد میں تشریف لائے (ظہر کا وقت تھا) ظہر ادا فرمائی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا کے بعد یہی تینوں آیتیں تلاوت کرکے فرمایا:۔

تصدقوا قبل ان لا تصدقوا، تصدقوا قبل ان یحال بینکم و بین الصدقۃ، تصدق امرؤ من دینارہ، تصدق امرؤ من درہمہ، تصدق امرؤ من برہ من شعیرہ من تمرہ، لا یحقرن شیئ من الصدقۃ ولو بشق التمرۃ (ابن ابی شیبہ، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ابن مردویہ)

خیرات کرو قبل اس کے کہ خیرات نہ کرسکو، خیرات کرو قبل ازینکہ تمھارے اور خیرات کے درمیان کوئی چیز حائل ہوجائے۔ کسی کے ہاں دینار ہیں تو اس میں سے دے ڈالو۔ درہم ہیں تو ان میں سے دے ڈالو، گیہوں ہیں تو ان میں سے، جو ہوں تو، کھجور ہوں تو، خیرات جو بھی ہوسکے اس کو حقیر نہ جانو۔ وہ آدھی یا دُ کھجور ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت جریرؓ کا بیان ہے کہ ایک انصاری صحابیؓ کے پاس تھیلی تھی۔ یہ سنتے ہی اونھوں نے وہ تھیلی ہی پیش کردی، آپ ابھی منبر پر ہی تشریف فرما تھے۔ چہرۂ مبارک سے آثار سرور نمایاں ہوگئے۔ فرمایا:۔ من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بھا کان لہ اجرھا و مثل اجر من عمل بھا لا ینقص من اجورھم شیئا و من سن سنۃ سیئۃ فعمل

بہا کان علیہ وزرہا ومثل وزر من عمل بہا لا ینقص من اوزارہم شیئاً۔
جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت قائم کی پھر اس پر عمل ہوتا رہا تو اس کو اس
قیام سنت اور اس پر عملدرآمد دونوں کا اجر ملتا رہیگا۔ عملدرآمد کرنے والوں کے
ثواب میں کمی نہ ہوگی اور جس نے برا طریقہ قائم کیا پھر اس پر عملدرآمد ہوتا رہا
تو اس کو بھی اس بُری ایجاد اور اس پر عملدرآمد دونوں کا بوجھ رہا۔ عمل درآمد
کرنے والوں کے بوجھوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی"۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں
(یہ ارشادات عالیہ سننا ہی تھا کہ) لوگ اٹھے۔ اور گھروں کو گئے۔ کوئی دینار
لایا، کوئی درہم، کوئی غلہ، کوئی کچھ، کوئی کچھ، ایک معقول مقدار جمع ہوگئی۔
پھر آپ نے اس کو ان لوگوں میں تقسیم فرمادیا"۔ یہ تھی عملی تفسیر ان آیات کریمہ کی
یعنی اللہ سے ڈرنے کی اور کل کے لئے کیا پیش کیا؟ اس کو دیکھ لینے کی
یاد خدا سے غافل نہ رہنے کی کامیابی حاصل کرنے کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
وارضاہم عنا۔ اللہ سبحانہ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو بروقت ایسا عملی ثبوت
پیش کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

خطبۂ صدیق اکبرؓ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ
خطبہ دیا تو فرمایا:۔۔۔ لوگو! تمھیں معلوم ہے کہ تمھاری شام صبح ہو رہی ہے

اور ایک مقررہ وقت تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ تم کو اس کا علم نہیں (کہ وہ کب آتا ہے؟) اگر تم سے ہو سکے کہ وہ ایسے حال میں آئے کہ تم محتاط رہ کر اس کی راہ دیکھ رہے ہو تو ایسا ضرور کرو مگر یہ اذن الٰہی کے بغیر نہ ہو سکیگا۔ بعض لوگوں نے وہ وقت دوسروں کو دے دیا مگر اللہ سبحانہ نے تم کو منع فرمایا کہ تم خود کو ان جیسا نہ بناؤ چنانچہ فرمایا:۔ ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون۔ تم ان جیسے نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے پھر اس نے خود ان کو فراموش کر دیا۔ یہی ہیں نافرمان" تم جن کو اپنا بھائی کہتے تھے وہ آج کہاں ہیں۔ ان کا عمل ختم ہو چکا اور جو کچھ کیا تھا اس کی جزا پا رہے ہیں۔ وہ جبار بادشاہ کہاں ہیں جو بڑے بڑے شہر بسائے اور فصیلوں سے ان کو محفوظ کیا۔ پتھروں کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ یہ حق تعالیٰ کی کتاب مبین ہے جس کے عجائبات کبھی فنا نہ ہوں گے اور نہ اس کی روشنی کبھی گل ہوگی۔ اُس دن کی تاریکی سے بچنا ہے تو اس سے استفادہ نور کئے جاؤ۔ کتاب اللہ کی نصیحتوں اور ہدایات کو مشعل راہ بناؤ۔ اللہ نے ان کی تعریف فرمائی ہے جو خیرات میں سبقت کرتے اور اللہ کو پکارتے تھے۔ شوق سے بھی اور خوف سے بھی۔ اور اللہ کے آگے جھکے ہوئے تھے۔

ان باتوں میں کوئی خوبی نہیں جن سے اللہ جل جلالہٗ کی خوشنودی مطلوب نہ ہو۔ اس مال میں خیر و برکت نہیں جو راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے۔ جس کا حلم غضب پر قابو نہ پائے اس کی خیر نہیں۔ نہ اس میں کوئی بھلائی ہے جو لومۃ لائم سے ڈرتا ہو۔"

(عبد بن حمید، ابن المنذر)۔

(۵۹-۲۱)
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اگر ہم اتارتے یہ قرآن کسی پہاڑ پر تو آپ دیکھتے کہ وہ دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے، اور یہ مثالیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں۔"

تاثیر قرآن کریم

قرآن کریم کی تاثیر کا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ یہ ایسی پُرتاثیر کتاب ہے جو کسی سخت سے سخت تر اور بڑے سے بڑے پہاڑ پر بھی ہم اسکو اتارتے تو آپ دیکھ لیتے کہ وہ کوہ عظیم اس کی عظمت و رفعت کے آگے دب جاتا اور پھٹ کر پارہ پارہ، ریزہ ریزہ ہو جاتا درحالیکہ پہاڑ ایک جماد محض ہے۔ مگر افسوس تو کافر پر ہے کہ عقل و فہم، ہوش و حواس رکھتا ہوا انسان ہونے کے باوجود بھی اس کا دل، قرآن کریم کی نصیحتوں اور ہدایات کے آگے

جھکتا نہیں اور نہ جو اسرار و حِکَم اس میں مضمر ہیں اون پر غور کرنے کی طرف مائل ہوتا۔ دور کیوں جائیے کوہ طور کو دیکھو جس پر صرف ایک تجلی پڑی تھی۔ اس کا کیا حشر ہوا۔ جعلہٗ دکًّا۔ کہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ نہ صرف یہی بلکہ وخرّ موسیٰ صعقًا۔ اور موسیٰ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام۔ سچ ہے کہ قلب موسیٰ ایک مومن کامل واکمل اور اولوالعزم رسول برحق کا دل تھا۔ رہا قلب کافر اس کی قسوت کا یہ حال ہے کہ وہ پتھر بلکہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ فھی کالحجارۃ او اشدّ قسوۃ۔ کیوں کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان میں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ کوئی پتھر شق ہو جاتا ہے تو اس میں سے پانی بہنے لگتا ہے۔ کوئی پتھر اللہ کی خشیت کے باعث اپنی جگہ سے ڈھل جاتا ہے۔ پتھروں کی نسبت امور مذکورہ کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اور کافر کا دل اتنا سخت ہے کہ کلام الٰہی سن کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ طعن کرتا ہے۔ استہزاء و تمسخر پر اتر آتا ہے۔ اس سنگدلی اور غفلت پر جتنا ماتم بھی کیا جائے کم ہے۔

خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا کی تفسیر | ضحاکؒ فرماتے ہیں، ارشاد یہ ہو رہا ہے:۔

لو انزلت ھذا القرآن علی جبل فامرتہ بالذی امرتکم وخوّفتہ بالذی خوّفتکم بہ اذًا یتصدّع و یخشع من خشیۃ اللہ فانتم احق

ان تخشعوا و تذلّوا و تلین قلوبکم لذکر اللہ (ابن المنذر) اگر میں اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتا اور جو حکم تم کو دیا ہے اس کو دیتا اور جو خوف تم کو دلایا ہے اس کو دلاتا تو خشیت الٰہی کے مارے فوراً پھٹ کر دب جاتا لہٰذا فرمان الٰہی کے آگے تم جھک جانے اور دب جانے کے زیادہ مستحق ہو اور تمہارے دل ذکر الٰہی کے آگے نرم پڑ جانے چاہئیں" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ فامر اللہ الناس اذا انزل علیھم القرآن ان یأخذ وہ بالخشیۃ الشدیدۃ والتخشّع (ابن جریر، ابن مردویہ) لوگوں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ جب ان پر قرآن کریم اترے (یعنی ان کو پڑھ کر سنایا جائے یا وہ خود پڑھیں) تو اس کو حد درجہ خشیت اور عاجزی کے ساتھ قبول کرلیں" مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں :۔ اقسم لکم لا یومن عبد بھذا القرآن الاصدع قلبہ (ابن المنذر) قسمیہ کہتا ہوں کہ کوئی بندہ قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے تو اس کا دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے" یعنی وہ قرآن کریم کا دلدادہ اور گرویدہ ہو جاتا ہے

درد سر کا علاج حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل الی آخر السورۃ ھی رقیۃ الصداع۔ (دیلمی) یعنی لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل سے آخر سورت تک جو چار آیات کریمہ ہیں

یہ درد سر کا علاج ہے ۔" اس کو پڑھ کر دم کرنے سے درد سر دفع ہو جاتا ہے ۔ یہ روایت مرفوع ہے یعنی اس کی سند حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہوتی ہے ۔ مطلب یہ کہ خود حضور انورؐ نے ایسا فرمایا ہے ۔ ایسی روایت حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بھی مروی ہے ۔

ہر مرض کا علاج حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا :۔ انی قرأت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما بلغت ھذہ الآیۃ قال لی ضع یدك علی رأسك فان جبریل لما نزل بھا الیّ قال لی ضع یدك علی رأسك فانّھا شفاء من کلّ داء الا السام والسام الموت ۔ (خطیب بغدادی) میں میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سنا رہا تھا ۔ اس آیہ کریمہ پر پہنچا تو مجھے ارشاد ہوا کہ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لو ۔ کیوں کہ جبرئیلؑ جب اس آیۂ کریمہ کو لے کر میرے پاس نازل ہوئے تو مجھ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیجئے ۔ کیوں کہ اس میں ہر بیماری کی شفا ہے سوائے موت کے ۔" خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کی یہ روایت جن جن راویوں نے اپنے اپنے زمانہ میں بیان کی تو اساتذہ نے اپنے تلامذہ کو ہدایت فرماتے گئے کہ اس آیۂ کریمہ کے پڑھتے وقت اپنے اپنے سر پر اپنا اپنا ہاتھ رکھ لیا کریں ۔" تا کہ ہر مرض سے شفا

حاصل ہو ۔

متکلم کی عظمت و رفعت شان | یہاں تک کلام کی عظمت کا بیان تھا ۔ اب
متکلم کی عظمت ذہن نشین کرنی چاہیے جس کا بیان آگے آرہا ہے ۔

59-22 هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِۚ
59-23 هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ
اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ
59-24 الْمُتَكَبِّرُؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ
الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰىؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ
وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۝ع ۳ وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی
جانتا ہے جو چھپا ہے اور جو کھلا ہے وہ ہے بڑا مہربان رحم والا وہ اللہ
ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی' وہ بادشاہ ہے' پاک ذات' سب
عیبوں سے سالم' امان دینے والا' پناہ میں لینے والا' زبردست' دباؤ والا'
صاحب عظمت' پاک ہے اللہ ان کے شریک بتلانے سے' وہ اللہ ہے
بنانے والا' نکال کھڑا کرنے والا' صورت کھینچنے والا' اسی کے سب نام ہیں
اچھے' پاکی بول رہا ہے اس کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں' اور

وہی ہے زبردست، حکمتوں والا۔

الرّحمٰن الرّحیم کی تفسیر | قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جس کی شان یہ ہے کہ ساری کائنات اسی کی بنائی ہوئی، اور ساری کائنات میں وہی بندگی کے لائق ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ پوشیدہ اور ظاہر سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں الرّحمٰن بڑا مہربان، الرّحیم نہایت رحم والا ہے[1]۔ حضرت رحمٰن کی اس رحمانیت (رحمت عام) ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم کو اور کائنات کی تمام چیزوں کو ہر ایک کے مناسب حال جو دینا تھا بغیر کسی عمل و استحقاق کے دے دیا۔ اور ایک ایک چیز ایسی دی جس کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی۔ اور رحیم کی رحمت خاصہ وہ ہے جو صالحین اور نیکوکاروں کے لئے ایسی نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں کہ مالا عین رأت ولا

[1] رحمٰن میں شان کرم کا عموم ہے مومن و کافر سب کے لئے اور اسی لئے اس کا ظہور اس دنیا میں بھی ہو رہا ہے اور اسم پاک رحیم میں اہل ایمان کے ساتھ رحمت و مغفرت کی خصوصیت ہے۔ اس لئے اس کا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ حضرات صوفیہ کرام رضٰ نے یوں تشریح فرمائی ہے، رحمانیت وہ تربیت ہے جو ذرائع و سائل کے ساتھ ہو اور رحیمیت وہ تربیت ہے جو براہ راست و بلا توسط ہو رحمانیت وہ شفقت و مہربانی ہے جو ایک مہربان طبیب کو اپنے زیر علاج مریض کی ہوتی ہے اور رحیمیت شفقت محض ہے

اُذنٌ سمعت ولا خطرَ علیٰ قلب بشر۔ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے کان اُن سے آشنا ہوئے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خطرہ تک گزر سکا"۔

ھُوَاللّٰہ اسم اعظم ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اسم اللہ الاعظم ھُوَ اللّٰہ[1] (ابن مردویہ) (ان آیات کریمہ کے آغاز میں) ھُوَاللّٰہُ (جو آیا ہے وہ) اسم اعظم ہے" جس کی خاصیت دیگر احادیث شریفہ میں یہ بتائی گئی ہے:۔ اذا دُعی بہ اجابَ واذا سُئل بہ اعطیٰ۔ (حاکم بروایت صحیحہ، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، امام احمد، بیہقی) جب اس کے ذریعہ دعا کی جائے تو (اللہ سبحانہ اس کو) قبول فرماتا اور جب اس کے واسطہ سے سوال کیا جائے تو وہ اس کو دے دیتا ہے"۔ یعنی عام طور پر جن چیزوں کی درخواست کی جاتی ہے اس کو بھی منظور فرمالیا جاتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ کوئی چیز مانگی جائے تو وہ بھی مل جاتی ہے۔

[1] حضور غوث اعظمؒ نے فرمایا یہی اسم جلالہ اسم اعظم ہے لیکن اس کے برکات اور اس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ تو اللہ کہے اور تیرے قلب میں غیر اللہ کا خیال نہ رہے اذا قُلتَ اللہ لیس فی قلبکَ غیرہٗ۔

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ اللّٰہ اسم اعظم کیوں نہ ہوگا کہ یہ خدا کا اسم ذات ہے جو ذات واجب الوجود جامع صفات کمال کے لئے مختص ہے۔ جو حق سبحانہ تعالیٰ شانہ کے لئے بطور عَلَم استعمال کیا جاتا ہے۔ اس عَلَم ذات کی خصوصیات بے شمار ہیں اور اس میں ان گنت لطائف و اسرار نہاں ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کا ایک ایک حرف ذات احدیت پر دلالت کرتا ہے۔ اَللّٰہ سے ذات واجب الوجود مراد ہونا تو عام بات ہے اس میں سے الف کم کر دیا جائے تو لِلّٰہ باقی رہ جاتا ہے، اور اگر ایک لام بھی کم کیا جائے تو لَہٗ باقی رہتا ہے اور اگر دوسرا لام بھی کم کیا جائے تو ہٗ رہ جاتا ہے۔ لِلّٰہ۔ لَہٗ۔ ہٗ بھی اسی ذات مستجمع صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ سبحانہ ما اعظم شانہٗ۔ اسی طرح ھُوَ اللّٰہُ میں ھُوَ سے بھی ذات واجب الوجود کی طرف اشارہ ہے۔ ھو اللّٰہ کہنے والا گویا اللّٰہ اللّٰہ کہہ رہا ہے۔ ایسا کہنا اللّٰہ سبحانہ کی رفعت و عظمت شان کا اظہار کرنا ہے کہ اللّٰہ تو اللّٰہ ہی ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:۔ انا ابو النجم و شعری شعری۔ میں ابو النجم شاعر ہوں اور میرے اشعار تو میرے ہی اشعار ہیں یعنی جن کی فصاحت و بلاغت، شیرینی و لطافت کو زمانہ جانتا ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب گر دلیلت باید از وے رومتاب

یہاں تک تو پہلی آیۂ کریمہ کی تفسیر ہوئی۔ دوسری آیۂ کریمہ کے آغاز میں پھر وہی ارشاد ہو رہا ہے:۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ وہی اللہ ہے (جامع صفات کمال) جس کے سوائے کسی کی بندگی نہیں"

اَلْمَلِكُ کی تفسیر جس کی شان ہے اَلْمَلِكُ۔ بادشاہ علی الاطلاق، جسکی بادشاہت ہمیشہ قائم، اس کو کبھی زوال نہیں۔ تمام بادشاہ اور انکی بادشاہتیں اس کے آگے سر بہ سجود، اس کی ذات مستغنی، جو کبھی کسی کی محتاج نہیں اور ساری کائنات جس میں روئے زمین کے بادشاہ بھی داخل ہیں ہمیشہ اس کے محتاج تؤتی الملك من تشآء و تنزع الملك ممّن تشآء و تعزّ من تشآء و تذل من تشآء۔ (اے بادشاہ مطلق) تو جس کو چاہے بادشاہ بنادے اور تو جس سے چاہے بادشاہت کو نکال لے۔ اور تو جس کو چاہے عزت و غلبہ دے اور تو جس کو چاہے ذلیل بنادے" تیرا حکم سب پر چلتا ہے اور تجھ پر کسی کا کچھ زور چل نہیں سکتا۔

اَلْقُدُّوْسُ کی تفسیر اَلْقُدُّوْسُ۔ ہر قسم کے نقص و عیب سے جس سے

اُس کی خدائی پر حرف آتا ہو پاک ہے۔ نیز ہر وصف جو اس کی ذات کے ساتھ مختص ہے کمال کے ایسے درجہ پر ہے جس سے اوپر اور کوئی درجہ متصور نہیں ہو سکتا چنانچہ ملائکہ کرام کی تسبیح یہ ہے :۔ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوحِ۔ پاکی بیان کئے جانے کا مستحق ہے جس کا وصف ذروۂ کمال پر ہے فرشتوں اور روحانیین کا بھی آقا و مالک ہے۔" زمخشری ناقل ہے کہ پانی کے جانور تک یہ تسبیح پڑھتے ہیں :۔ سبحان الملك القدّوس۔ پاک ہے وہ پادشاہ علی الاطلاق جس کا ہر وصف اوج کمال پر ہے۔" متبرک مقامات کو "مقامات مقدسہ" اسی لئے کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ان کو وہ شرف بخشا ہے جس کو کوئی چھین نہیں سکتا۔

السَّلَامُ کی تفسیر السَّلَامُ۔ سلامتی والا ہے۔" نہ وہاں کسی آفت کا گزر ہے نہ کوئی حادثہ درپیش ہو سکتا ہے نہ کوئی خلل راہ پا سکتا اور نہ کسی ضعف و عجز کا تصور ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نمازوں کے بعد فرماتے :۔ اللّٰھمّ انت السّلام ومنك السّلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ الٰہی! آپ ہی سلامتی والے ہیں اور سب کی سلامتی بھی آپ کے ہی ہاتھ ہے کیا ہی بابرکت ہے آپ کی ذات

بزرگی اور انعام والی ۔" یعنی فرض نماز سے فارغ ہوکر خصوصاً ان نمازوں کے بعد جن کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ۔ اور اسی پر اکتفا فرماتے ۔ اس لئے کہ یہ تمام دعاؤں کی جامع ہے ۔ سلامتی نصیب ہوئی تو سب کچھ میسر ہوا ۔ انبیا و رسل اور ملائکہ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ اسی بنا پر علیہم الصلاۃ والسلام کہنے کا حکم ہے ۔ ارشاد باری ہے :۔ انّ اللّٰہ وملائکتہ یصلّون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۔ یقیناً اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی (کریم) پر درود بھیجتے رہتے ہیں ۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود وسلام کا تحفہ بھیجا کرو ۔" اللّٰھم صلی علی سیدنا ومولانا محمّد وعلی آلہ وصحبہ وسلم ۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے مقدس دین اسلام بھی ساری دنیا کو سلامتی کا پیام دینے والا دین ہے جو اس میں داخل ہوا اس کی دنیا و آخرت میں سلامتی ہی سلامتی ہے ۔ سَلٰامٌ قولاً من ربّ الرّحیم ۔ جنتیوں کو قیامت میں پروردگار عالم کی طرف سے جو نہایت رحم والا ہے سلام وسلامتی ہی کا تحفہ دیا جائے گا ۔ پل صراط پر حضرات انبیا و رسل علیہم السلام دونوں جانب تشریف فرما ہوکر تمام امتیوں کے حق میں سَلِّمْ سَلِّمْ ہی فرماتے رہیں گے کہ پروردگارا!

صراط پر سے گزرنے والوں کو سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچائیو"۔ اہل اسلام کی باہمی ملاقات کا نعرہ بھی یہی ہے۔ السلام علیکم۔

المؤمن کی تفسیر المؤمن امان دینے والا ہے۔ یا تصدیق کرنے والا اپنی ذات کی کہ وہ وحدہ لا شریک لہٗ ہے۔ نیز اپنے انبیاء و رسل کی جنکو معجزات دیکر لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ اور ایمان والے بندوں کی کہ وہ راہ حق پر قائم اور اس کے انعام و اکرام کے مستحق ہیں۔ یا یہ کہ مذکورین کو دوسروں سے نڈر بنادیا کہ لَاخَوْفٌ علیھم۔ ان کو کوئی اندیشہ اور خوف نہیں"۔ وآمنھم من خوف۔ جو خوف ان کو دوسروں کا لگا ہوا تھا۔ اس سے امن دیا"۔ یا ان کے قلوب میں ایسی طمانیت پیدا فرمادی کہ وہ بجائے خود مطمئن ہیں اور نہایت اطمینان سے اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔

تفسیر حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الذی امّن من آمن من عذابہ۔ اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ میں جو "مؤمن" اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان والوں کو اپنے عذاب سے امن دینے والا"۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت ہوگی تو اہل توحید (جو گنہگار تھے اور اپنے گناہوں کے باعث دوزخ میں تھے) دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ سب سے پہلے

ان کو نکالا جائے گا جن کا نام حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی سے ہوگا پھر دیگر مومنین ومسلمین نکالے جائیں گے۔ ارشاد باری ہوگا:۔ انتم المسلمون وانا السلام وانتم المؤمنون وانا المؤمن۔ تم اہل اسلام ہو اور میں سلام ہوں اور تم اہل ایمان ہو اور میں مومن"۔

عرض فقیر درحقیقت "مومن" کہلانے کا وہی مستحق ہے کہ خوف کے وقت دوسرے اس کی پناہ ڈھونڈیں خواہ ان کو اپنی جان کا خوف لگا ہوا ہو یا مال کا یا آبرو کا سید عالم نے کیا خوب فرمایا:۔ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیومن جارہ بوائقہ۔ جس کا ایمان اللہ پر اور روز آخر (قیامت) پر ہو اس کا پڑوسی اس کے شر اور فتنہ سے امن میں ہونا چاہئے۔ لہٰذا اگر یہ چاہتے ہو کہ تم کو کسی کا خوف نہ رہے تو دوسروں کو خوفزدہ نہ کرو خود محفوظ ومامون رہو گے۔

شیخ اکبرؒ کا واقعہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اوائل عمری میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ ابھی طریقت میں قدم نہ رکھا تھا۔ گورخر کا ایک گلہ ملا۔ میں گھوڑے پر تھا۔ ہاتھ میں برچھا تھا اور شکار کا شوق بھی رکھتا تھا۔ ہم سفر رفقاء جو میرے ہم عمر تھے مجھ سے دور تھے۔ خیال آیا کہ یہ جانور ہیں ان کو چھیڑنا مناسب نہیں۔ گورخر جہاں چر رہے تھے اسی سمت گھوڑا روانہ ہوا۔ خدا کی قدرت کہ میں ان کے پاس سے گزر رہا تھا اور وہ اطمینان سے چر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد میرے رفقاء آئے تو ان کو دیکھ کر گورخر منتشر ہو گئے۔ سبب ظاہر ہے کہ میری نیت ان کو چھیڑنے کی نہ تھی وہ بھی مطمئن تھے۔ رفقاء شکار کا قصد رکھتے تھے۔ گورخر بھاگ گئے۔

عزیزو! عبدالمومن بننا چاہتے ہو تو اس واقعہ سے سبق حاصل کرو۔

واللہ الموفق۔

اَلْمُھَیْمِنُ کی تفسیر اَلْمُھَیْمِنُ۔ پناہ میں لینے والا ہے۔ یا نگہبان اور ہر چیز کی کمال درجہ حفاظت کرنے والا۔ جو احاطہ علمی اور کمال قدرت کا نتیجہ ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں اور سب پر اس کو قدرت تامہ حاصل ہے لہذا ہر چیز پر اس کی نظر کرم ہے اور ہر چیز اس کے حفظ و امان میں ہے۔ مجال نہیں کہ

اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی پر ہاتھ ڈال سکے مثل مشہور ہے : جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔

حفاظت الٰہی انسان سوتا رہتا ہے اور اس کے بغیر زندگی نہیں ہو سکتی ۔ عالم خواب میں اس کے حواس عقل و فہم اور ادراکات معطل ہو جاتے ہیں ۔ اندھیری رات سنسانی کا سامان رکھتی ہے ۔ خدا جانے اس عالم میں انسان کے پاس سے کیسی کیسی بلائیں آفات و حوادث، دشمن، درند، گزند، ایسے کتنے قافلے گزر جاتے ہیں مگر مھیمن حقیقی کی ذات حیّ و قیوم، لاتاخذہ سنۃ ولا نوم ہمیشہ زندہ، قائم و برقرار جس کو نہ نیند لگے اور نہ اونگھنی آئے ہمیشہ آپ کی نگہبانی فرما رہی ہے اور شایان شان حفاظت کر کے آپ کو اپنی حفاظت میں رکھا ہے ۔ انسان رات تمام خواب غفلت میں گزار کر نیند سے جاگتا ہے تو نہ صرف خود کو صحیح و سالم پاتا ہے بلکہ تازہ توانائی کے ساتھ اٹھتا ہے ۔ دن تمام کام میں لگے رہنے سے جو تکان پیدا ہو گیا تھا سو کر اٹھنے کے بعد ساری کلفت دور اور طبیعت چاق و چوبند ہوتی ہے ۔ اور تمام کھوئی ہوئی قوتیں، صلاحیتیں واپس مل جاتی ہیں ۔ غور کرو اللہ سبحانہ کے سوا ایسا کوئی محافظ ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ ہرگز نہیں ۔ بعض مفسرین نے مُھَیمِن کو صیغہ تصغیر لکھا ہے مگر محققین کے ہاں یہ درست نہیں ہیں صفت الٰہی تصغیر نہیں ہو سکتی ۔

العَزِیْزُ کی تفسیر العَزِیْزُ زبردست ہے" سب پر غالب کہ جس کو چاہے سزا دے سکتا ہے اور تمام عالمین کا ثواب دینا اسی کی ذات پر موقوف و منحصر ہے۔ اپنی منزلت سے کبھی اُتر نہیں سکتا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔ "عزیز" درحقیقت وہ ذات جس کا کوئی مثل نہیں جس کی طرف ہر ایک شدت سے محتاج ہو اور اُس تک رسائی دشوار ہو ان صفات ثلاثہ کا مجموعہ عزیز کہلاتا ہے اگر ان میں سے ایک صفت بھی نہ پائی جائے تو وہ عزیز کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ صفات مذکورہ کے کسی ذات میں جمع نہ ہونے کے باوجود کسی کو اس نام سے یاد کیا جائے مگر یہ اطلاق مجازی ہوگا حقیقی نہیں۔"

الجَبَّارُ کی تفسیر الجَبَّارُ دباؤ والا ہے" جس نے اپنی مخلوق کو جیسا چاہا دباؤ میں رکھا۔ مجال نہیں کہ اس کی مقرر کردہ حد سے کوئی آگے بڑھ سکے یا پیچھے ہٹ سکے یا سرتابی کر سکے۔ نیز جبّار کے معنی ہیں جبر نقصان کرنے والا' ہر چیز کی اصلاح کرنے والا' اپنی مخلوق کے احوال کو درست کرنے والا وہی ہے۔ حضرت شاہ ولایت نے فرمایا:۔ یا جابر کلّ کسیرٍ و مسھّل کلّ عسیرٍ۔ جوڑنے والا ہر شکستہ کو اور سہل بنانے والا ہر دشوار کو" نیز ایسا رفیع الشان

محفوظ کہ کسی کی دسترس اُس تک نہیں۔ اس کے جو کام ہیں ان کو انجام دینے کا کسی کو شوق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے کسی امر کی وجہ دریافت کی جا سکتی کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ اور نہ اس کے کام کو کوئی روک سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ صحف سابقہ میں ہے: ۔ عبدی! ترید وارید ولایکون الّا ما ارید فان رضیت بما ارید کفیتك ما ترید وان لم ترض بما ارید ابقیتك فیما ترید ثمّ لایکون الّا ما ارید۔

میرے بندے ارادہ تو بھی کرتا ہے اور ارادہ میں بھی کرتا ہوں۔ مگر ہوتا وہی ہے جس کا ارادہ میں کرتا ہوں۔ لہذا اگر تو اس سے خوش رہے جس کا ارادہ میں کرتا ہوں تو تیرے ارادے کی کفایت اور تکمیل بھی میں اس میں کر دیتا ہوں اور جو تو میرے ارادے سے راضی نہ رہے تو میں تجھ کو تیرے ارادے پر ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ پھر ہوتا وہی ہے جس کا ارادہ میں کرتا ہوں۔"

اَلْمُتَکَبِّرُ کی تفسیر اَلْمُتَکَبِّرُ بڑا ہی عظمت والا ہے" کہ ہر بڑائی اس کو سزاوار ہے۔ حضرت سعدیؒ نے فرمایا: ؎

مراو را رسد کبریا و منی　　که ذاتش قدیم است و صفتش غنی

اس کے افعال حسنہ اتنے ہیں کہ ساری کائنات کے محاسن اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

لہٰذا اللہ سبحانہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ اپنی کبریائی و عظمت کا اظہار فرمائے۔ اسکے سوا کسی کو یہ حق نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوقات کے لئے ایسا ادعا مذموم ہے۔ حدیث قدسی ہے:۔ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی فی شیئ منہما قصمتہ۔ بڑائی میری رداء (چادر) اور عظمت میری ازار (تہ بند) ہے یعنی یہ دونوں میرے صفات مختصہ ہیں۔ ایک صفت ظاہری اور دوسرا صفت باطنی۔ لہٰذا جو کوئی ان میں سے کسی کی بابت بھی مجھ سے الجھنا چاہے تو میں اس کو توڑ کر رکھ دیتا ہوں"۔ ابلیس اور اس کی ذریت یعنی فرعون و نمرود وغیرہ کا کیا حشر ہوا اس کو سب جانتے ہیں۔

یشرکون کی تفسیر سُبحَانَ اللهِ عَمَّا يُشرِكُونَ۔ پاک ہے اللہ ان کے شریک ٹہرانے سے"۔ یعنی قرآن کریم جس کی تاثیر کا بیان ہوا یہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے جس کی چند صفات یہ ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ کائنات میں کوئی ہستی ایسی ہے جس میں یہ صفات ہوں؟ جب مذکورہ صفات بلکہ ان میں سے کوئی ایک صفت بھی کسی میں موجود نہیں تو کس منہ سے اللہ سبحانہ کے ساتھ کسی کی شرکت کا نعوذ باللہ دعوی کیا جا سکتا ہے؟

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن

بر سر منبر ارشاد فرمایا کہ قیامت ہوگی تو باری تعالیٰ شانہ تمام آسمانوں اور زمین کو اپنی مٹھی میں لیکر اس طرح دبائیگا۔ (اس وقت حضور اکرمؐ نے اپنی مٹھی زور سے دبا کر بتلائی پھر مٹھی کھول دی) پھر فرمائیگا:۔ انا اللّٰہ، انا الرحمٰن، انا الرحیم انا الملك انا القدوس انا السلام انا المؤمن انا المهیمن انا العزیز انا الجبار انا المتکبر انا الذی بدأت الدنیا و لم تك شیئًا انا الذی اعدتها این الملوك این الجبابرۃ۔ میں ہی اللہ ہوں، میں بیحد مہربان ہوں، میں نہایت رحم والا ہوں، میں ہوں بادشاہ، میں ہوں پاک ذات، میں ہوں سب عیبوں سے سالم، میں ہوں امان دینے والا، میں ہوں پناہ میں لینے والا، میں ہوں زبردست میں ہوں دباؤ والا، میں ہوں صاحب عظمت، میں ہی ہوں جس نے دنیا کو ابتداءً پیدا کیا، اس سے پہلے دنیا کچھ بھی نہ تھی، میں نے ہی دوبارہ اس کا اعادہ کیا ہے۔ بادشاہان کہاں ہیں؟ جبابرہ جو اپنی جبروت کے مدعی تھے کہاں ہیں؟"

الخالق کی تفسیر | هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ، وہ اللہ ہے بنانے والا، کہ ہر چیز کو اس کے اندازے کے مطابق ٹھیک بنایا۔ جیسا کہ اس کی حکمت بے پایاں کا اقتضاء تھا اور جیسی کہ اس کی مشیت بے نہایت تھی۔ آدمؑ کو آب و گل کے مادے سے۔ اور آب و گل کو بغیر کسی مادے کے۔ پھر بنی آدم کو آدمؑ و حواؑ سے

اور مسیح کو بغیر باپ کے صرف مریم سے۔ آغاز تخلیق سے پیشتر نہ کوئی مثال تھی کوئی نمونہ
حضرت شیخ سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ اس نام پاک (یاخالق) کا وظیفہ پانچ ہزار کی
تعداد میں پڑھا جائے تو گم شدہ چیز مل جاتی اور غائب سے ملاقات ہو جاتی
ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

البارئ کی تفسیر البارئ "نکال کھڑا کرنے والا ہے" یعنی ایسا ایجاد
کرنے والا کہ اس کی حکمت مشیت کا اقتضا جیسا ہو ٹھیک اس کے مطابق بغیر کسی
تفاوت و خلل کے نکال کھڑا کرتا ہے۔ اس طرح کہ ایک ایک چیز دوسری سے ممتاز
و ممیز ہو جیسا کہ آیہ کریمہ ماتری فی خلق الرحمٰن من تفاوت میں ایسا
فرمایا گیا ہے کہ رحمٰن یعنی بے حد مہربان خدا کی صفت خلق یہ شان رکھتی ہے کہ
اس میں کوئی تفاوت کمی بیشی، عیب و خلل، نشیب و فراز یا کوئی فرو گذاشت
نہ پاؤ گے" احسن الخالقین نے ہر چیز جیسی بنانی چاہی بنائی اور خوب بنائی۔

المصور کی تفسیر المصوّر "صورت کھینچنے والا ہے" یعنی اشیاء کی صورتوں
اور ان کی کیفیات کی ایجاد کرنے والا نقش برآب امر محال تصور کیا جاتا ہے۔
کسی مخلوق کے لئے لاریب یہ امر محال ہے۔ مگر مصور حقیقی کی شان یہ ہے کہ رحم
مادر میں قطرہ آب ہوتا ہے اور وہ اس کی صورت گری فرماتے ہیں۔ پھر وہ

صورت بھی ایسی کہ ایک صورت دوسری صورت سے نہیں ملتی ۔ صورت، رنگ، آواز، چال ڈھال، رفتار گفتار، نشست برخاست، وضع ترکیب وغیرہ ہر چند کہ اعراض ہیں مگر ذات کا امتیاز ان ہی اعراض سے ہے ۔ اور اعراض بھی ہر شئے کے جداگانہ ہیں جس طرح ذوات اشیاء جدا جدا ہیں ۔

اسماءِ حسنیٰ کی تفسیر | لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ۔ اسی کے ہیں سب نام اچھے ۔

اسماءِ حسنیٰ جو اوپر بیان ہوئے اللہ سبحانہ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ضرورت حال کی بنا پر چند ہی بیان ہوئے ہیں ورنہ کل ننانوے اسمائے حسنیٰ ہیں جو ہم کو بتائے گئے ہیں اور جو نہیں بتائے گئے ان کی تعداد اللہ سبحانہ ہی کو معلوم ہے جن کے ذریعہ حضرت آدم سے حضرت مسیح علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام تک اللہ سبحانہ کو یاد کرتے رہے ۔ امتہ مرحومہ پر بڑی عنایت وشفقت فرمائی گئی کہ بس وہ ان ہی اسمائے حسنیٰ سے اللہ سبحانہ کی یاد کیا کرے اور مناسبت موقع کے لحاظ سے موزوں نام کا انتخاب کرکے ہر نام برمحل[1] لیا کرے یا بتائے ہوئے تمام اسمائے حسنیٰ کا ورد رکھے

[1] اسمائے الٰہیہ جو ہر روز کی مناسبت سے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مع ادعیہ ارشاد فرمایا ہے وابستگان سلسلہ عالیہ قادریان کا ہمیشہ ورد رکھتے ہیں جس کے غیر معمولی برکات ظاہر ہوتے ہیں : ـــ
یوم جمعہ ـ یا اللہ یا کافی یا غنی (۱۰۰) مرتبہ ـ یوم شنبہ ـ یا شدید یا قویُّ (۱۰۰) مرتبہ
یوم یکشنبہ ـ یا رحمٰنُ یا رحیمُ (۱۰۰) مرتبہ ـ یوم دوشنبہ ـ یا مالکُ یا قدوسُ (۱۰۰) مرتبہ
یوم سہ شنبہ ـ یا حلیمُ یا رحیمُ (۱۰۰) مرتبہ ـ یوم چہارشنبہ ـ یا کریمُ یا جوادُ (۱۰۰) مرتبہ
(یوم پنجشنبہ ـ یا حیُّ یا قیومُ (۱۰۰) مرتبہ)

جو اس کے ہر درد کا درماں اور ہر حاجت کا سامان ہے۔ انتہا یہ کہ حدیث شریف میں ہے:۔ من احصاھا دخل الجنۃ۔ جو ان کو پڑھ لے یا حفظ کرلے جنت میں جائیگا"۔ احادیث شریفہ میں جنکی تفصیل موجود ہے اور عام طور پر برادران اسلام ان سے واقف ہیں۔

يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اس کی تسبیح کرتی اور پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے"۔ خواہ یہ تسبیح زبان حال سے ہو یا قال سے جس کا بیان بارہا کیا جاچکا ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ اور ہی زبردست حکمت والا ہے"۔ ختم سورہ پران دو صفتوں عزیز و حکیم کا بیان اس بنا پر ہے کہ عزیز سے حق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت و قوت کا پتہ چلتا ہے اور صفت حکیم سے اللہ سبحانہ کے علم کا۔ گویا یہ دو صفتیں اس موقع پر یہ رہنمائی کررہی ہیں قدرت، اور علم ہی ایسی صفات ہیں جو تمام صفات کمالیہ کا رفرما ہیں

آخری تین آیات کی فضیلت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ من قرأ آخر سورۃ الحشر ثم مات من یومہ و لیلتہ کفر عنہ کل خطیئۃ عملھا۔ (ابن مردویہ) جس نے سورہ حشر کی (آخری تین) آیتیں پڑھ لیں پھر اسی دن یا رات اس کی وفات ہوجائے تو اس کی تمام خطاؤں کا کفارہ ہوجائے گا جو اس سے سرزد ہوئی تھیں"۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ صبح و شام ان آیات کریمہ کا ورد رکھیں۔ دوسری روایت میں ہے:۔ انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم امر رجلاً اذا اوی الی فراشہ ان یقرأ آخر سورۃ الحشر وقال ان متّ متّ شھیدا۔ (ابن سنی، ابن مردویہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ جب اپنے بستر پر آئے تو سورہ حشر کی یہ آیات پڑھ لے۔ اگر تو (اس رات) وفات پا جائے تو شہید مریگا۔ اس کے علاوہ احادیث شریفہ میں ان آیات کریمہ کے اور بھی فضائل بیان ہوئے ہیں۔ واللہ الموفق۔

الحمد للہ کہ سورہ حشر کی تفسیر ختم ہوئی۔ ۷ ربیع الآخر ۱۳۷۶ المنور روز جمعہ